ہمدرد
نونہال

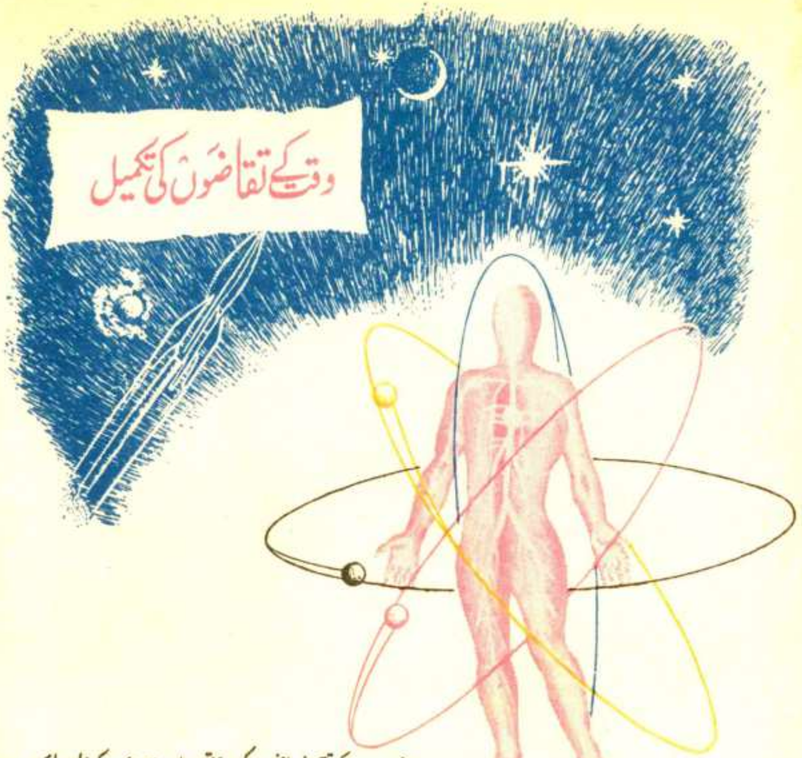

عہدِ جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردِ عمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کر دیے ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔

اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہَمدَرد اس دَور کے تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرمِ کار ہے

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

ہمدرد نونہال

ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مارچ ۱۹۷۷ء

مجلس ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی — صدر مجلس

مسعود احمد برکاتی — مدیر

حکیم محمد یٰسین دہلوی — مدیر

جلد ۲۵ شمارہ ۳

ٹیلے فون — ۶۱۶۰۰۱

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

قیمت

فی رسالہ : — ایک رُپیہ ۷۵ پیسے

سالانہ : — ۱۸ رُپے

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان)
نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس شمارے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
ہمارا سرورق	ادارہ	۴
بلند ہمت گگو	جناب میرزا ادیب	۵
دق و سل	جناب سید عابد علی	۱۲
حکیم (نظم)	جناب شاعر لکھنوی	۱۷
یوم پاکستان (نظم)	جناب عبدالغنی شمس	۱۸
سونے کی کلہاڑی	مسعود احمد برکاتی	۱۹
آگے خطرہ ہے!	جناب علی اسد	۲۵
سفر (نظم)	جناب سرور بجنوری	۳۳
اُردو، قائدِ اعظم کی نظر میں	ادارہ	۳۴
رُبالو کے کارنامے۔ (قسط ۲)	جناب معراج	۳۷
کارٹون	جناب مشتاق	۴۵
ایک دن کا ایڈیٹر	جناب وقار محسن	۴۹
پھیری والا		۵۵
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا	ادارہ	۶۱
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۶۷
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶۹
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۰
معلومات عامہ ۱۳۱	جناب عصمت علی پٹیل	۷۲
رنگ برنگی پھل جھڑیاں	ننھے مزاح نگار	۷۵
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۷۷
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۱
معلومات عامہ ۱۲۹ کے جوابات	ادارہ	۱۰۱

جاگو جگاؤ

عادت بھی عجیب و غریب چیز ہے۔ انسان اچھے سے اچھا کام اور بُرے سے بُرا کام عادت کی وجہ سے کر لیتا ہے۔ سُستی کی عادت ہو تو سارے کام پڑے رہ جاتے ہیں بلکہ بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ محنت کی عادت ہو تو انسان بڑی سے بڑی مشکل اور مصیبت کا مقابلہ ہنستے بولتے کر لیتا ہے۔

عادت میں بڑی طاقت ہے۔ یہ طاقت انسان پر غالب آجائے تو اس کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے اور انسان مجبور و لاچار اپنی تباہی کو اس طرح دیکھتا رہتا ہے جیسے وہ خود نہیں کوئی دوسرا تباہ ہو رہا ہے، لیکن اگر اس طاقت پر غالب آجائے تو وہ عظیم کارنامے انجام دیتا ہے اور دُنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

عادتوں کے مجموعے کا نام کردار ہے۔ جیسی عادتیں ہوں گی ویسا ہی کردار بنے گا۔ کردار اچھا ہو تو انسان کی تعریف ہوتی ہے اور وہ ترقی کرتا ہے۔ کم زور کردار والا انسان اپنی کم زوری کی سزا عمر بھر بھگتتا رہتا ہے۔

آپ کا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

ایک خوب صورت گانے والی چڑیا

بُل فِنچ (BULLFINCH) چڑیا جھاڑیوں اور کیاریوں میں شان دار رنگ بکھیرتی رہتی ہے۔ سال کے بیشتر حصے میں یہ بیجوں اور گوندنی جیسے پھلوں پر گزر کرتی ہے، لیکن موسمِ بہار کے آغاز میں جب غذا کی قلت ہوتی ہے تو یہ پھلوں کے درختوں اور آرائشی جھاڑیوں کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چھوٹی سی چڑیا اپنی گول، دھار دار چونچ سے آلوچے کے درخت کی کونپلوں کو تیس کونپل فی منٹ کی رفتار سے کاٹ ڈالتی ہے۔ اس کی اسی عادت کی وجہ سے لوگوں نے اسے پکڑنے کے لیے خاص قسم کے پھندے بنانے کی کوششیں کیں، لیکن ابھی تک کسی کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ہے۔

بُل فِنچ زندگی بھر انڈے دیتی رہتی ہے۔ نَر اور مادہ سال بھر ساتھ ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ مادہ اپنے خوب صورت نَر کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آتی ہے۔ نَر کا سینہ گلابی ہوتا ہے اور اس کے سر پر کالی ٹوپی ہوتی ہے۔

گھونسلا مادہ بناتی ہے۔ وہ اس کے لیے ننھی ننھی ٹہنیاں، کائی اور سِوار (تالاب میں اُگنے والی گھاس) اِستعمال کرتی ہے اور گھونسلے کو بڑی احتیاط سے جھاڑیوں اور گھاس پھُونس میں چھُپا دیتی ہے، پھر چار پانچ سبزی مائل داغ دار انڈے دیتی ہے اور دونوں نر اور مادہ بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ وہ بچوں کو عموماً پتنگے کھلاتے ہیں۔

یہ چڑیا بڑی شرمیلی ہوتی ہے اور انسانوں سے محتاط رہتی ہے۔ اس کا کوئی خاص نغمہ نہیں ہے۔ اکثر اوقات یہ ایک ہلکی سی آواز نکالتی ہے۔ اس کی موجودگی صرف اسی آواز سے ظاہر ہوتی ہے۔

(سَرورق کی تصویر بہ شکریہ میسرز ایسو (ESSO) لندن)

بلند ہمّت گُگّو

میرزا ادیب

ایک تھا چڑا اور ایک تھی چڑیا۔ ان کا تھا گھونسلا جامن کے ایک درخت کی شاخ پر اور یہ درخت تھا شہر کے ایک باغ کے اندر۔ چڑیا کا نام تھا گگی اور چڑے کا نام تھا گگو۔ اپنا گھونسلا انھوں نے بڑی محنت سے بنایا تھا۔ ایک ایک تنکا اٹھا کر لائے تھے اور بڑا آرام دہ گھر بنا لیا تھا، بڑے مزے سے اپنے گھونسلے میں رہتے تھے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ جب جامن کھانے کے قابل ہو جائیں گے تو انھیں کھانے والے بھی آموجود ہوں گے۔ ابھی انھیں اپنے گھونسلے میں رہتے ہوئے دو ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ چھوٹے چھوٹے سبز رنگ کے جامن سیاہ رنگ کے ہو گئے اور جب ہوا چلتی تو روز چند ایک نیچے گر پڑتے۔ خیر گگی اور گگو کو ان سے کیا واسطہ تھا، مگر ہُوا یہ کہ نہ جانے کہاں کہاں سے درجن بھر لڑکے آ گئے۔ انھوں نے جامن گرانے کے لیے شاخوں پر پتھر مارنے شروع کر دیے۔ گگی اور گگو بہت گھبرائے۔ وہ خود تو اُڑ گئے لیکن سوچنے لگے کہ اگر کوئی پتھر ان کے گھونسلے کے آن لگا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ اور یہی ہوا۔ شام کے قریب جب لڑکے جامنوں سے جھالیاں بھر کر چلے گئے تو گگی اور گگو واپس آئے۔ گگی نے جب اپنا گھونسلا دیکھا تو اس کی ننھی ننھی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ گھونسلے کے بجائے شاخ پر ایک چھوٹی سی رسّی پڑی تھی جسے گگو کہیں سے اٹھا لایا تھا اور جسے اس نے اپنے گھونسلے میں رکھ دیا تھا۔

افسوس تو گگو کو بھی ہوا مگر اس نے آنسو نہیں بہائے۔

"ہمارا گھر تو تباہ ہو گیا — اب ہم کیا کریں گے؟" گگی نے روتے ہوئے کہا۔

"گھر تباہ ہو گیا ہے — پر ہم زندہ ہیں اور گھر بنا لیں گے۔" گگو نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

وہ رات انھوں نے اسی شاخ پر کاٹی۔ گگی کو اپنے گھونسلے کے تباہ ہو جانے کا بہت افسوس تھا۔ بے چاری ساری رات سو نہ سکی۔ صبح ہوئی تو انھوں نے ناشتہ کیا اور وہاں سے کچھ دور ایک اور درخت پر گھونسلا بنا لیا۔ یہ درخت آم کا تھا۔ یہاں بھی یہی کچھ ہوا۔ اس کے بعد گگو نے سوچ کر کہا، "گگی! شہر کے باغوں میں تو پھلوں کے درخت ہوتے ہیں — تجھے یاد ہے بہت پہلے ہم نے اپنا گھونسلا ایک پیپل کے پیڑ پر بنایا تھا۔"

"ہاں۔ وہاں ہمارے انڈے ایک نامُراد کوا کھا گیا تھا۔" گگی نے بڑے افسوس سے کہا۔

گگو بولا، "اب کے ہم جنگل کے کسی درخت پر اپنا گھر بنائیں گے۔ دیکھ لینا وہاں ہمیں بڑا آرام ملے گا۔"

گگی کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ اصل میں وہ بڑی مایوس ہو چکی تھی۔ اس لیے سمجھتی تھی کہ اگر جنگل میں جا کر گھر بنائیں گے تو وہاں بھی آرام نہیں ملے گا، مگر گگو بڑی ہمت والا چڑا تھا۔ وہ نا امید نہیں ہوا تھا۔ چناں چہ ایک روز دونوں اُڑے۔ اُڑتے گئے، اُڑتے گئے اور ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ وہاں گگو کی نظر ایک ایسے درخت پر پڑی جو سارے درختوں سے اونچا تھا اور جس کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اس قدر تھک چکے تھے کہ فوراً اس کی ایک شاخ پر بیٹھ گئے اور تھکاوٹ کی وجہ سے سو گئے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی اور انھیں سخت بھوک لگی تھی۔ دونوں خوب گہری نیند سو کر اپنی تھکاوٹ دور کر چکے تھے اس لیے پیٹ بھرنے کے لیے وہاں سے اُڑے۔ تھوڑی دُور ہی گئے ہوں گے کہ انھیں ایک کھیت دکھائی دیا جس کی مٹّی میں ابھی ابھی بیج ڈالا گیا تھا اور بہت سے بیج اوپر پڑے تھے۔ انھوں نے بیج کھا کر پیٹ بھرا تو گھر بنانے کی سُوجھی اور اسی وقت کام شروع کر دیا۔

آخر گھر بن گیا۔ یہاں نہ لڑکے آ سکتے تھے نہ کوئی مالی پھل کی حفاظت کے لیے انھیں اُڑ جانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ پاس کھیت بھی تھا۔ انھیں یہ بھی کوئی دِقّت نہیں تھی کہ کھائیں گے کیا، لیکن ایک بات سوچ سوچ کر وہ بہت اُداس ہو جاتے تھے۔ شہر کے جس باغ میں انھوں نے گھر بنایا تھا وہاں اور گھر بھی تھے۔ کسی گھر میں چڑیوں کا کنبہ آباد تھا، کسی میں بلبلوں کا اور کسی شاخ پر توتے آ بیٹھتے تھے۔ آپس میں باتیں ہوتی رہتی تھیں، لیکن یہاں جنگل کے اس درخت پر سوائے اُن کے اور کسی پرندے کا بھی گھونسلا نہیں تھا۔ ہر روز وہی باتیں ہوتی رہتی تھیں جن میں اب انھیں کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ اُداس گگو بھی تھا مگر گگی تو بہت ہی اُداس رہتی تھی اور ہر روز گگو سے کہتی تھی۔

"گگو! یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو — میں تو بڑی گھبرا گئی ہوں۔"

گگو کہتا، "گگی! دیکھو یہاں ہمیں کتنا آرام ہے۔ اپنی مرضی سے اُڑتے ہیں۔ اپنی مرضی سے واپس آ جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟" گگی کہتی، "ہمارے سوا یہاں اور کوئی ہے ہی نہیں۔ کس سے باتیں کریں۔ کس سے دل بہلائیں؟"

ایک صبح گگو نے دیکھا کہ گگی بہت ہی اُداس ہو گئی ہے، وہ یہ سوچ کر بہت اُداس ہو گئی

تھی کہ جب اُس کے بچّہ ہو گا تو اُسے دیکھنے کے لیئے کوئی بھی اس کے گھر نہیں آئے گا اور یہ بچّہ جب بڑا ہو گا تو کس سے کھیلا کرے گا ؟

گگو اس کی اُداسی کی وجہ خوب جانتا تھا۔ کہنے لگا،

"گگی !"

"جی !"

"آج تو تم بہت اُداس ہو — لیکن چند روز بعد تمھاری اُداسی دور ہو جائے گی۔"

"وہ کیسے ؟" گگی نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"یہ بات میں ابھی نہیں بتاتا۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے جانے دو۔"

"کہاں ؟"

"یہ بات بھی میں نہیں بتاتا، دیکھو تو ہوتا کیا ہے ؟"

اور ہوا یہ کہ گگو شہر جا کر اپنی ایک بہن اور اس کے کنبے کو لے آیا۔ اس کنبے نے اس درخت پر اپنا گھر بنا لیا۔ دوسرے روز گگی چلی گئی اور وہ اپنے بھائی اور بھاوج کو لے آئی۔ انھوں نے بھی وہیں گھر بنا لیا۔

پورا ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ گگو اور گگی کے گھر کے آس پاس اور کئی گھر بن گئے۔ سب اتفاق اور محبت سے رہتے تھے۔ گگی کے ہاں بچّہ ہوا تو سب نے اسے مبارک باد دی اور وہ اتنی خوش ہوئی — اتنی خوش ہوئی کہ اسے شکریہ ادا کرنے کے لیے بھی مناسب لفظ نہ مل سکے۔

بڑے آرام سے وہ سب کے سب زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپس میں باتیں کرتے تھے، ہنستے تھے اور رات کو مزے سے سو جاتے تھے۔ انھیں کوئی فکر نہیں تھی، کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی۔

ایک روز وہ سب اپنے گھونسلے سے نکل کر کھیت کے کنارے دُھوپ سے لطف اُٹھا رہے تھے کہ انھوں نے چند آدمیوں کو دیکھا۔

جب سے وہ جنگل میں آئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی نظر ان درختوں کی جانب آتے ہوئے آدمیوں پر پڑی تھی۔

وہ آدمی ایک طرف چلے جا رہے تھے اور پھر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

"گگو دیکھ رہے ہو ؟" گگی نے کہا۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

گگو گگی کے یہ لفظ سُن کر ہنس پڑا۔

"گگی! تم کیسی پاگل ہو۔ کوئی یہاں آئے یا نہ آئے ہمیں اس سے کیا واسطہ؟"

"کوئی بات ہونے والی ہے گگو۔" اور گگی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ آدمی دوسرے دن بھی آئے اور ان کے گھونسلوں والے پیڑ کے نیچے کھڑے ہو کر دیر تک باتیں کرتے رہے پھر انھوں نے اس پیڑ اور آس پاس کے کئی پیڑوں پر ایک سفید سی چیز سے سفید نشان لگا دیے اور چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ساری چڑیاں اور چڑے نیچے آ گئے اس سفید نشان کو دیکھنے لگے جو ہر پیڑ کے

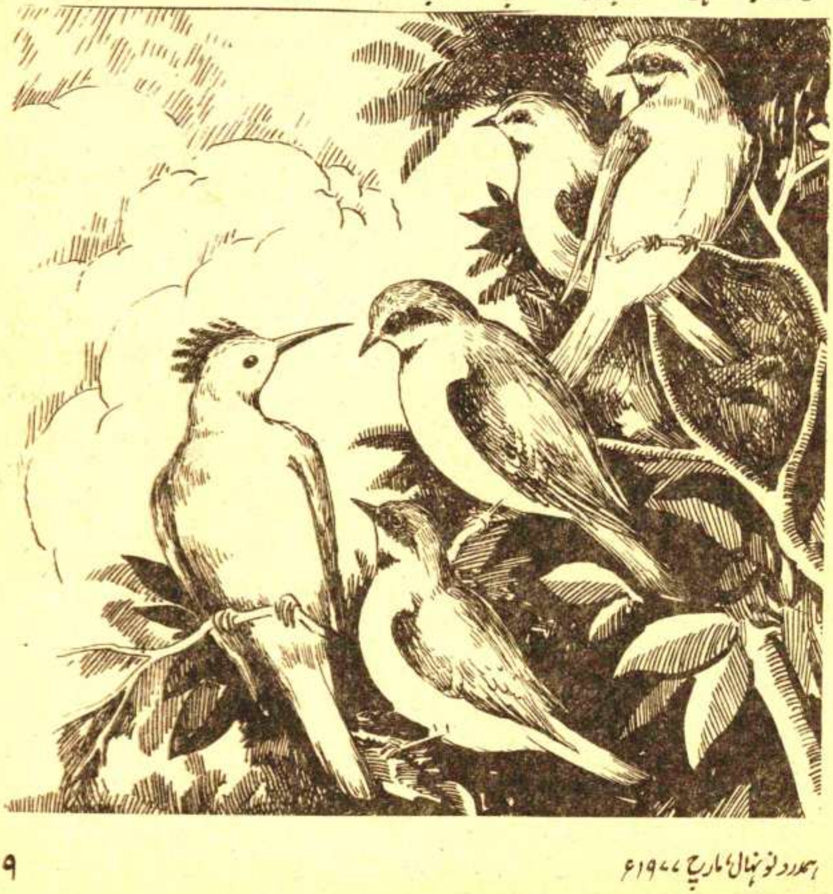

تنے پر نظر آ رہا تھا۔

"اس سفید نشان کا مطلب کیا ہے؟ ہر چڑیا اور چڑا دل میں سوچ رہے تھے۔ گگو کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا،

"تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ ۔ اِس نشان کا ہم سے کیا تعلق ہے بھلا!"

ایک صبح وہ ناشتے کی تیاری کر رہے تھے کہ وہاں ایک ہُدہُد آ گیا۔

"غور سے میری بات سنو" وہ اونچی آواز میں بولا۔

سب ناشتہ بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"سنو! میں تمھیں ایک بڑی افسوس ناک خبر سنانے آیا ہوں"

سب کے دل دھڑکنے لگے۔

"یہ تمام پیڑ جن پر سفید نشان لگائے گئے ہیں... کاٹ دیے جائیں گے"

سب کے چہرے ایک دم زرد پڑ گئے۔ صرف گگو کا چہرہ ویسے کا ویسا رہا۔

"کیوں؟" گگو نے پوچھا۔

"وہ اس وجہ سے کہ یہاں سے نہر کا پانی بہانا ہے۔ دوسری طرف جو کھیت ہیں انھیں جو نہر پانی پہنچاتی تھی وہ سوکھ گئی ہے ۔ انھیں اس نہر سے پانی ملے گا"

ہدہد جانے لگا تو صرف گگو نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ کسی اور میں بولنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ وہ اسی طرح بالکل ناامید ہو کر بیٹھے رہے۔ آخر گگو نے ان سے مخاطب ہو کر کہا،

"میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔ بولو دو گے جواب!"

سب کے سب خاموش بیٹھے رہے۔ کسی نے بھی ہاں نہ کہی۔

گگو نے پوچھا،

"بتاؤ کیا ہمارے پر ٹوٹ گئے ہیں؟"

وہ ویسے ہی چُپ چاپ بیٹھے رہے۔

"میں پوچھتا ہوں۔ جواب دو، کیا ہمارے پَر ٹوٹ گئے ہیں؟"

"نہیں" دو تین آوازیں آئیں۔

گگو نے دوسرا سوال پوچھا،

"کیا ہمارے پَروں میں اُڑنے کی ہمّت نہیں رہی ؟"

سب کے سب ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔

"جواب دو، ہاں کہو یا نہیں ؟"

"ہمّت ہے۔" اب کے بھی دو تین آوازیں بلند ہوئیں۔

گگو بڑے جوش سے بولا،

"جب ہمارے پَر سلامت ہیں، جب ہمارے بازوؤں میں اُڑنے کی ہمّت ہے تو نا امید ہونے کی وجہ کیا ہے۔ یہ جنگل بہت وسیع ہے۔ یہ دُنیا بڑی لمبی چوڑی ہے۔ ہم اُڑ کر کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ جہاں جائیں گے اپنے گھر بنالیں گے۔ اٹھو۔ ہمّت نہ ہارو۔ اٹھو۔ ابھی اُٹھو۔"

اور وہ سب کے سب اُڑنے لگے۔ گگو ان کے آگے آگے اُڑا جا رہا تھا۔ اور اسی شام انھوں نے ایک درخت کا انتخاب کر لیا اور وہ اس کی شاخوں پر بیٹھ گئے۔ اور نئے گھر بنانے کے بارے میں سوچنے لگے۔

ایجنٹ صاحبان سے

ہمدرد نونہال کے بعض ایجنٹ صاحبان اپنے آرڈر یا رسالے کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع مہینے کے آخر میں دیتے ہیں۔ ہمارا دفتر رسالہ بھیجنے کی تیاری پندرہ ۱۵ تاریخ سے شروع کر دیتا ہے، اس لیے مہینے کے آخر میں کسی تبدیلی کی اطلاع ملنے پر تعمیل میں دقّت ہوتی ہے اور غلطی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سارے ملک اور بیرون ملک بھی سینکڑوں ایجنٹ صاحبان ہمدرد نونہال فروخت کرتے ہیں اور دفتر کو ان کے پاس رسالہ بھیجنا ہوتا ہے، اس لیے دفتر کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ایجنٹ صاحبان سے درخواست ہے کہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک آئندہ مہینے کے رسالے کے لیے اپنی فرمائش بھجوا دیا کریں، مثلاً اپریل کے مہینے کی فرمائش پندرہ مارچ تک بھجوا دی جائیں۔ اس طرح دفتر کو اور خود آپ کو بھی سہولت ہوگی۔

سیّد عابد علی

دِق و سِل

عابد نے عروسہ کو لکھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا،
"عروسہ کیا لکھ رہی ہو؟"
عروسہ نے جواب دیا "بھیّا، چھٹی کی درخواست لکھ رہی ہوں۔"
عابد نے دریافت کیا "خیریت تو ہے۔ کیا آج تمھاری طبیعت کچھ خراب ہے یا کوئی اور خاص بات ہے؟"
عروسہ نے جواب دیا "نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے، میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔"
"پھر درخواست کیوں لکھ رہی ہو؟"
"بھیّا، بات یہ ہے کہ کل ٹیکا لگانے والے آئے تھے۔ کچھ جماعتوں کی لڑکیوں کے تو کل ٹیکا لگا تھا اور کچھ جماعتوں کی لڑکیوں کے آج لگے گا — اِن میں میری جماعت کی لڑکیاں بھی شامل ہیں، لہٰذا میں آج نہیں جارہی ہوں۔"
عابد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "گویا آپ ٹیکے کے ڈر سے اسکول سے چھُٹی کریں گی۔"
عروسہ: ہاں! آپ یہی سمجھ لیں۔
عابد: اچھا یہ تو بتاؤ ٹیکا کس چیز کا لگ رہا ہے؟
عروسہ: دق وسل کا ٹیکہ لگایا جارہا ہے۔
عابد: تمھیں پتا بھی ہے دق کتنا خراب مرض ہے؟
عروسہ: کیا واقعی یہ بہت خراب مرض ہے؟
عابد: ہاں ہاں، آؤ میں تم کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتاتا ہوں۔
عروسہ درخواست پر قلم رکھتے ہوئے "اچھا پہلے آپ دق وسل کی تفصیل بتادیں پھر

میں درخواست لکھوں گی۔"

عابد: یہ ایک متعدی مرض ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ہر سال کروڑوں انسان موت کا شکار ہو جاتے۔

عروسہ: یہ متعدی مرض کیا ہوتا ہے؟

عابد: (ہنس کر) ابھی تک تمہیں متعدی مرض کے بارے ہی میں معلوم نہیں۔

عروسہ (ناراض ہوتے ہوئے) آپ ہماری کم علمی کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ہم جارہے ہیں۔

عابد: ارے، تم تو ذرا ذراسی بات پر ناراض ہو جاتی ہو۔ میرا تو مطلب یہ تھا کہ یہ بات بڑی عام ہے۔ ہمارے ملک میں ہر سال چیچک پھیلتی ہے۔اس وقت یہ لفظ اخباروں میں بار بار استعمال ہوتا ہے۔

عروسہ: ہاں یاد آیا۔ آپ صحیح کہہ رہے ہیں، متعدّی سے مُراد وہ بیماری ہے جو ایک سے دوسرے کو لگتی ہے۔

ہوا اور روشنی کی کمی بیماریوں کی زیادتی کا سبب ہے، چھوٹے، گندے اور اندھیرے گھروں میں دِق جیسی بیماریاں زیادہ پھیلتی ہیں

عابد: دیکھا، اب تم نے خود ہی صحیح بات بتا دی۔
عروسہ: اچھا بھیّا، آپ بتا رہے تھے کہ دق ایک متعدی مرض ہے۔
عابد: ہاں! یہ ایک جرثومے سے پیدا ہوتا ہے جس کو عصائے دانی (ٹبرکل بیسی لس) (TUBERCLE BACILLUS) کہتے ہیں۔ اسی جرثومے کے نام کا مخفف ٹی۔بی (TB) کہلاتا ہے۔ اس جرثومے کو سب سے پہلے ایک جرمن سائنس دان رابرٹ کواخ (ROBERT KOCH) نے دریافت کیا تھا۔ یہ جرثومہ بھی دوسرے جرثوموں کی طرح ہمارے جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنی نسل کی افزائش اور زہریلے مادّے کا اخراج کرتا ہے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔
عروسہ: یہ جرثومہ داخل ہوتے ہی آدمی بیمار ہو جاتا ہوگا۔
عابد: ہاں یہ بھی ہوتا ہے۔ آدمی فوری طور پر بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ جراثیم کے داخل ہونے کے بعد ایک مدت تک آدمی بیمار نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کا جرثومہ انسان کے جسم میں عرصہ دراز تک بغیر کوئی نقصان پہنچائے خوابیدہ حالت میں زندہ رہ سکتا ہے۔ یعنی وہ مرتا نہیں بلکہ سویا رہتا ہے۔
دق کا مرض پھیپھڑوں، آنتوں، ہڈیوں، جوڑوں اور جسم کے دیگر اعضا میں کہیں بھی ہو سکتا ہے مگر عام طور پر اس کا اثر پھیپھڑوں اور ہوا کی نالیوں پر ہوتا ہے۔
عروسہ: بھیّا، اس مرض کی کچھ علامتیں بھی ہوں گی جن سے ہم اُس کے بارے میں واقف ہو سکیں۔
عابد: کیوں نہیں! اس مرض کے تین درجے ہوتے ہیں:
ابتدائی درمیانی اور انتہائی
۱۔ ابتدا میں مریض کو ہلکی ہلکی کھانسی رہتی ہے۔ دماغی بے چینی محسوس ہوتی ہے۔ رات کے وقت ہلکی حرارت اور تکان کا احساس ہوتا ہے۔ بھوک کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مریض کا وزن کم ہوتا جاتا ہے۔
۲۔ اس مرض کے دوسرے درجے میں سخت قسم کی خشک کھانسی ہو جاتی ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔ رات کے وقت پسینہ آتا ہے۔ ہر وقت بخار رہتا ہے اور مریض کے خون

میں کمی ہو جاتی ہے۔
(۳) آخری درجے میں مریض خون تھوکنے لگتا ہے۔ شام کے وقت بخار تیز ہو جاتا ہے۔ جسم کم زور ہوتا جاتا ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا دُوبھر ہو جاتا ہے۔ ہتھیلیوں اور تلوؤں میں جلن محسوس ہوتی ہے۔
عروسہ: بھیّا، یہ مرض تو بڑا خطرناک ہے۔ یہ ایک دوسرے کو کس طرح لگتا ہے؟
عابد: دق کا جرثومہ دُودھ پلانے والے جانوروں اور پرندوں پر بھی اثر کرتا ہے۔ چناں چہ یہ بیماری انسانوں سے جانوروں اور جانوروں سے انسانوں کو لگتی ہے۔ اگر کوئی جانور اس بیماری میں مبتلا ہو تو اُس کے جراثیم اس کے دودھ میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح انسان کے جسم میں یہ بیماری عام طور پر گائے کے کچّے دودھ اور جانوروں کے گوشت کے ذریعے پھیل جاتی ہے۔
اس کے علاوہ جس وقت دِق کا مریض تھوکتا ہے یا چھینکتا ہے تو اس کی ناک

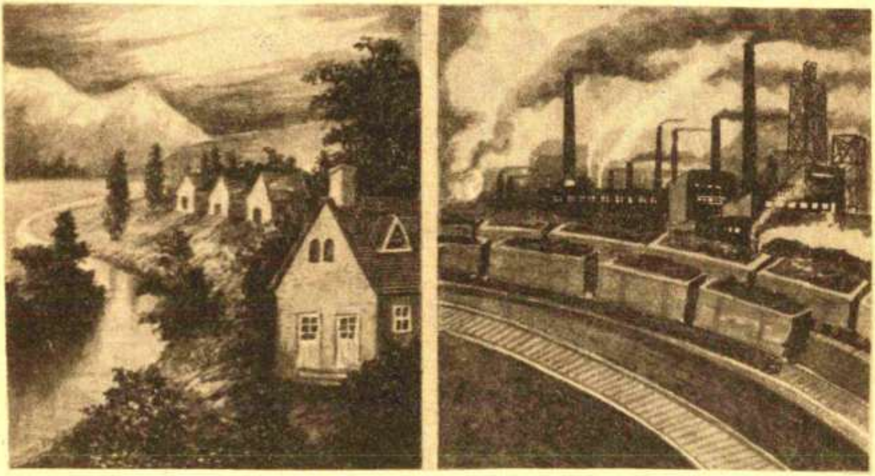

گنجان آباد اور صنعتی شہروں میں ہوا اور فضا صاف نہیں رہتی۔ بیماریوں سے محفوظ رہنے کے کھلی اور سر سبز جگہوں پر رہنا یا کم سے کم وہاں ٹہلنا اور ورزش کرنا ضروری ہے۔

سے یہ جراثیم گرد و غبار اور ہوا میں شامل ہوجاتے ہیں اور پھر سانس کے ذریعے ناک اور مُنھ کے راستے دوسرے انسانوں کے پھیپڑوں میں داخل ہوجاتے ہیں، اس کے علاوہ دق کے جراثیم تھوک یا بلغم سے اور مکھیوں کے ذریعے کھانے پینے کی چیزوں میں منتقل ہوجاتے ہیں اور اس غذا کو کھانے والے انسان کے جسم میں پہنچ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر یہ مرض والدین کو ہو تو اُن کے بچوں میں قوتِ مدافعت کی کمی ہوتی ہے اور وہ اکثر دق وسل میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ نیز پیدائشی طور پر بچوں کے جسم کے خون میں ایسے ذرات کم ہوتے ہیں جو اس مرض کا مقابلہ کرتے ہیں، لہٰذا کم زور تنگ و تاریک اور کم ہوادار مکانوں کے رہنے والوں کو بھی یہ مرض ہوجاتا ہے۔

عروسہ: بھیّا اس مرض سے بچنے کی کیا تدابیر ہیں؟

عابد: دُھوپ اور تازہ ہوا ان جراثیم کے لیے مہلک ثابت ہوتی ہے، لہٰذا دق کے مریضوں کے لیے روشنی، ہوا اور دُھوپ بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان باتوں کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ صاف اور کھلی ہوا میں ٹہلنا اور ہلکی ورزش کرنا چاہیے۔
۲۔ تنگ و تاریک مکانات میں، جن میں ہوا اور روشنی کا گزر نہ ہو نہیں رہنا چاہیے۔
۳۔ زود ہضم اور عمدہ غذا استعمال کرنا چاہیے۔
۴۔ دودھ کو اچھی طرح اُبال کر پینا چاہیے۔
۵۔ دِق کے مریض کا کمرہ علاحدہ ہونا چاہیے اور اُسے الگ سونا چاہیے۔
۶۔ مریض کی چادریں، تولیے اور کپڑے الگ رکھنا چاہئیں جنھیں دوسرے افراد استعمال نہ کریں۔
۷۔ مریض کو کھانستے یا چھینکتے وقت ناک پر رومال رکھ لینا چاہیے۔
۸۔ مریض کے استعمال کے برتن کھولتے پانی سے دھونے چاہئیں تاکہ جراثیم مرجائیں۔
۹۔ مریض کے تھوک اور بلغم کو جلا دینا چاہیے۔
۱۰۔ مریض کے کمرے میں جراثیم کُش دوائیں چھڑکنی چاہئیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

شاعر لکھنوی

حکیم

ہاتھ میں اِس کے نبض کی رفتار — کرتا جاتا ہے دھڑکنوں کا شمار
یہ اشاروں سے بھانپتا ہے مَرض — نام سے اِس کے کانپتا ہے مَرض
دُکھ پرکھنے کا جانتا ہے ہنر — ہے بھروسا خُدا کی رحمت پر
کیوں نہ ہو نسخہ شفا کافی — اِس کا ایمان ہے "ہُوالشافی"
فکرِ صحت ہے اِس کے فن کا کمال — یہ نہیں کھینچتا مریض کی کھال
اپنی طِب پر ہے اعتبار اِس کا — دُوسروں پر نہیں مدار اِس کا
دُھن ہے اس کو کہ جڑ سے جائے مرض — بینک بیلنس سے نہیں ہے غرض
دوسرے دیس کی دواؤں کا — قوم پر تجربہ نہیں کرتا
چھوٹی بُوٹی ہو یا بڑی بُوٹی — اپنے ہی دیس کی جڑی بُوٹی
جو بھی ہوتی ہے شرق میں پیدا — اِس کی فِطرت اُنھی کی ہے شیدا
مشرقی مُلک کی دواؤں سے — کبھی پرہیز سے، غذاؤں سے
جس کا جیسا مزاج ہوتا ہے — اُس کا ویسا علاج ہوتا ہے
اُس کو آتی نہیں ریاکاری — یہ بڑھاتا نہیں ہے بیماری
دُکھ بٹانا ہے خاص کام اس کا — اپنی خدمت سے ہے مقام اس کا

اِس کو جاں سے عزیز مِلّت ہے
اِس کی سائنس اِس کی خدمت ہے

یوم پاکستان

عبدالغنی شمس

آؤ مل کر گائیں

چُنو مُنو باجا لائیں
چھمی شمی ڈھول بجائیں
آج تو خوشیوں ہی کا دن ہے
ڈھیروں خوشیاں منائیں

آؤ مل کر گائیں

یوم پاکستان آیا ہے
وقت نے خود کو دُہرایا ہے
عزم و یقیں کے سائے سائے
آگے قدم بڑھائیں

آؤ مل کر گائیں

پاک وطن کی جان ہمیں ہیں
پاک وطن کی آن ہمیں ہیں
پاک وطن کی خدمت کر کے
اور بھی شان بڑھائیں

آؤ مل کر گائیں

ایک خُدا کے ہم ہیں پجاری
ایک ہی قومیت ہے ہماری
ایک رہیں ہم لوگ ہمیشہ
ایک سدا کہلائیں

آؤ مل کر گائیں

سونے کی کُلہاڑی

مَسعُود احمد برکاتی

زمانہ گزرا، بہت زمانہ، ایک غریب لڑکا تھا۔ اس کا نام چن پنگ تھا۔ اُس کے ماں باپ اتنے غریب تھے کہ چن پنگ کو نوکری کرنی پڑتی تھی۔ وہ ایک زمین دار اسکن فلنٹ کا نوکر تھا۔ چن پنگ ایمان دار بھی تھا اور محنتی بھی۔ وہ صبح سے شام تک کام میں لگا رہتا۔ کبھی پانی بھر کر لاتا،

کبھی لکڑیاں کاٹتا اور کبھی چاول صاف کرتا، پھر بھی اس کا مالک خوش نہ ہوتا۔ وہ چن ینگ کو سست کہتا اور کسی نہ کسی بہانے اسے ڈانٹتا پھٹکارتا رہتا۔ مارنے سے بھی نہ چوکتا۔

ایک دن بہت سردی تھی۔ اس سردی میں بھی چن ینگ کو پہاڑی کی چوٹی پر لکڑیاں کاٹنے جانا پڑا۔ سردی سے اُس کے دانت بج رہے تھے۔ اُس نے کندھے پر ایک لمبا سا ڈنڈا رکھا اور کمر کی پیٹی میں کلہاڑی اڑوس لی۔ جب چن ینگ پُل پار کر رہا تھا کہ اس کی کلہاڑی کھسک کر ایک جھٹکے کے ساتھ دریا میں جا گری۔ ارے، یہ کیا ہوا؟ کلہاڑی کے بغیر وہ لکڑی کیسے کاٹے گا؟ وہ اتنا پریشان ہوا کہ دریا کے کنارے بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ یکایک ایک سفید داڑھی والا آدمی نمودار ہوا اور چن ینگ سے پوچھنے لگا،

"میرے بچے، تم کیوں رو رہے ہو؟"

چن ینگ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا، "میری کلہاڑی دریا میں گر گئی ہے۔ میں اب لکڑیاں کیسے کاٹوں گا، جب میں گھر واپس جاؤں گا تو میرا مالک مجھے ضرور کوڑے لگائے گا۔"

"بس اتنی سی بات ہے، تو پھر مت روؤ، میں تمھاری کلہاڑی لائے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر بڈھا دریا میں کُود گیا مگر ایک کلہاڑی ہاتھ میں لیے ذرا سی دیر میں واپس آ گیا اور کلہاڑی چن ینگ کو دکھا کر پوچھنے لگا،

"دیکھنا، کیا یہ ہے تمھاری کلہاڑی؟"

چن ینگ نے کلہاڑی کو غور سے دیکھا، یہ ٹھوس چاندی کی بنی ہوئی تھی اور سورج کی روشنی میں اس کی چمک بڑی اچھی لگ رہی تھی، لیکن چن ینگ نے سر ہلا کر جواب دیا،

"نہیں دادا ابا، یہ میری والی کلہاڑی نہیں ہے۔"

بڈھا پھر دریا میں کودا اور ہاتھ میں ایک اور کلہاڑی لیے ہوئے واپس آیا۔ یہ کلہاڑی سونے کی بنی ہوئی تھی اور پہلی والی سے بھی خوب صورت تھی، لیکن چن ینگ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا،

"نہیں دادا ابا، یہ بھی میری نہیں ہے۔"

بڈھا ہنسا اور پھر دریا میں کود گیا۔ اس بار وہ جو کلہاڑی لایا وہ چن ینگ والی ہی تھی۔ چن ینگ خوشی سے اچھل کر بولا،

"ہاں، یہ کلہاڑی میری ہے۔"

بڈھے نے کلہاڑی چن پنگ کو تھما دی اور شاباشی دیتے ہوئے کہا کہ تم بہت اچھے اور ایمان دار لڑکے ہو۔ چن پنگ اس کا شکریہ ادا کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڈھا اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

چن پنگ کلہاڑی لے کر پہاڑی کی طرف دوڑا۔ کلہاڑی اتنی اچھی تھی کہ ذرا سی دیر میں اُس نے لکڑیوں کو چیر پھاڑ کر ایک بھاری گٹھا بنا لیا۔ یہ لکڑی جلانے کے لیے بہت اچھی تھی۔ اسکن فلنٹ کے گھر واپس جاتے ہوئے وہ اتنا خوش تھا کہ وہ ایک لوک گیت گنگنانے لگا، لیکن جب اسکن فلنٹ نے اس کو دیکھا تو غصے سے گھورنے اور بڑبڑانے لگا،

"تم سست انسان! تم اتنی جلدی کیوں واپس آ گئے؟"

چن ینگ نے اس کو لکڑیوں کا بڑا گٹھا دکھایا اور بتایا کہ کس طرح اس کی کلہاڑی دریا میں گر گئی تھی اور کس طرح وہ بوڑھے آدمی سے ملا۔ یہ قصّہ سُن کر اِسکن فلنٹ اور زیادہ غصّے ہوا۔ وہ چلّایا،

"ارے بے وقوف! تم نے سونے کی کلہاڑی کیوں نہ لی.... کم سے کم چاندی کی کلہاڑی تو لے لیتا۔ وہ لوہے کی اس پُرانی کلہاڑی سے تو کہیں زیادہ قیمتی تھیں۔ تم کاٹھ کے اُلّو ہو، تم سے بڑھ کر احمق میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

اِسکن فلنٹ ڈانٹ رہا تھا، بڑبڑا رہا تھا مگر اپنے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ بنا رہا تھا۔

دوسرے دن صبح وہ بہت جلدی اٹھا۔ صحن میں جا کر اُس نے پُرانی ٹوٹی ہوئی کلہاڑی اُٹھائی، گویا وہ لکڑیاں کاٹنے پہاڑ پر جا رہا ہو۔ پُل پر پہنچ کر اس نے اپنی کلہاڑی جان کر کے دریا میں پھینک دی اور کنارے پر بیٹھ کر زور زور سے رونے چلّانے لگا۔ بڈّھا ایک بار پھر نمودار ہوا اور پوچھنے لگا،

"میرے دوست، تم اتنے بلک بلک کر کیوں رو رہے ہو؟"

اِسکن فلنٹ نے جلدی سے سر اُٹھا کر دیکھا اور دِل میں کہا، خوب، یہ وہی بڈّھا ہے جس کا ذکر چن ینگ نے مجھ سے کیا تھا، وہ منھ پھاڑ کر اپنی پوری آواز سے چلّایا،

"آہ، میری کلہاڑی دریا میں گر گئی..... مجھے ڈر ہے کہ گھر جاؤں گا تو وہاں میری پٹائی ہوگی۔"

بڈّھے نے ہنس کر کہا،

"مت روؤ، میں تمھاری کلہاڑی واپس لا دوں گا۔" یہ کہہ کر بڈّھا دریا میں کودا اور فوراً ہی کلہاڑی نکال لایا،

"یہی ہے نا تمھاری کلہاڑی؟"

سچی بات تو یہ ہے کہ یہ وہی کلہاڑی تھی جو اِسکن فلنٹ نے دریا میں پھینکی تھی، لیکن اُس نے منھ لٹکا کر جواب دیا،

"نہیں جی، میری کلہاڑی تو بڑی شان دار ہے۔"

بڈھا دریا میں سے ایک اور کلہاڑی نکال لایا۔ اُس نے اسکن فلنٹ سے پوچھا، "کیا یہ والی کلہاڑی تمھاری ہے؟"

یہ چاندی کی بنی ہوئی تھی، لیکن اِسکن فلِنٹ کو اس پر بھی صبر نہیں آیا۔

"نہیں، یہ بھی میری نہیں ہے۔ میری کلہاڑی تو سونے کی بنی ہوئی تھی۔ بہتر ہے کہ تم ایک بار اور کوشش کرو اور مجھے سونے کی کلہاڑی لادو۔"

بڈھے نے چاندی کی کلہاڑی کنارے پر پھینک دی اور ایک بار پھر پانی میں غوطہ لگایا۔ اِس بار وہ سونے کی کلہاڑی نکال لایا۔ یہ اتنی چمک دار تھی کہ اس کو دیکھتے ہی اِسکن فلنٹ کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ بڈھا ابھی مشکل سے دریا کے کنارے تک پہنچا تھا کہ اسکن فلنٹ نے اس کے ہاتھ سے کلہاڑی جھپٹ لی اور خوشی سے چیخا، "آخر میری کلہاڑی مل گئی!"

اتنی دیر میں بڈھا غائب ہو گیا۔ اسکن فلنٹ خوشی خوشی پُل کی طرف چلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سونے کی کلہاڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں چاندی کی۔

ان دونوں کو ہوا میں لہراتے ہوئے وہ خوشی سے ناچنے اور گانے لگا:

تقدیر مری راس آئی مجھے
قسمت نے مرے دن پھیر دیے
سونے کی کلہاڑی ہے اپنی
چاندی کی کلہاڑی بھی میری
سونے کی کلہاڑی کے بدلے
اک اپنا مکان خریدوں گا
چاندی کی کلہاڑی کے بدلے
اک اپنی زمین بناؤں گا
سونے کے چمکتے چمچوں سے
میں عمدہ سُوپ اُڑاؤں گا
پوشاک سنہری، پھر اس پر
سونے کے پھول سجاؤں گا
سونے کے چھپر کھٹ پر اپنے
دیکھوں گا سُہانے ہی سپنے
پوشاک مکاں، زر اور زمیں
خوش مجھ سے زیادہ کوئی نہیں

تقدیر مری راس آئی مجھے
قسمت نے مرے دن پھیر دیے

ابھی وہ آخری مصرعے پر پہنچا ہی تھا کہ اس کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے دریا میں جا پڑا۔ اتنی زور کی آواز ہوئی کہ شاید کوسوں تک سُنی گئی ہو گی۔ اس کے بعد اسکن فلنٹ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اور چن پنگ کا کیا بنا؟ وہ ہر روز گھر سے پہاڑی پر جاتا اور اپنی بہترین لوہے کی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹتا۔ اس نے اتنی لکڑیاں جمع کر لیں کہ وہ اس کے اور اس کے ماں باپ کی گزر بسر کے لیے کافی تھیں۔ اس طرح وہ آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔

(بقیہ "دق وسل")

۱۱۔ دق کے مریض کو جلد از جلد سینی ٹوریم یا ہسپتال میں داخل کرا دینا چاہیے۔

۱۲۔ دوسرے حضرات کو بھی دق وسل کا ٹیکا لگوانا چاہیے تاکہ وہ اس مرض سے محفوظ رہیں۔

عروسہ: بھیا، اس حساب سے تو مجھے بھی ٹیکہ لگوانا چاہیے۔

عابد: بالکل۔

عروسہ: اب میں درخواست پھاڑ دیتی ہوں اور جانے کی تیاری کرتی ہوں۔

علی اسد

آگے خطرہ ہے!

"جلدی کی ضرورت نہیں۔" کرس نے کہا۔ اس وقت وہ اور اس کا دوست ٹونی دونوں ریلوے کے ڈھلواں پشتے پر چڑھ چکے تھے اور وہاں سے ریلوے لائن چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ "ابھی اس کے آنے میں بیس منٹ باقی ہیں۔" ٹونی نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ٹونی اور اس کا دوست دونوں بارا برس کے تھے۔ ٹھیک سات بجنے میں دو منٹ پر ویسٹ کنٹری اِکسپریس واٹرلو اسٹیشن سے آتی تھی۔ اس میں نیلسن قسم کا انجن لگا ہوتا تھا۔

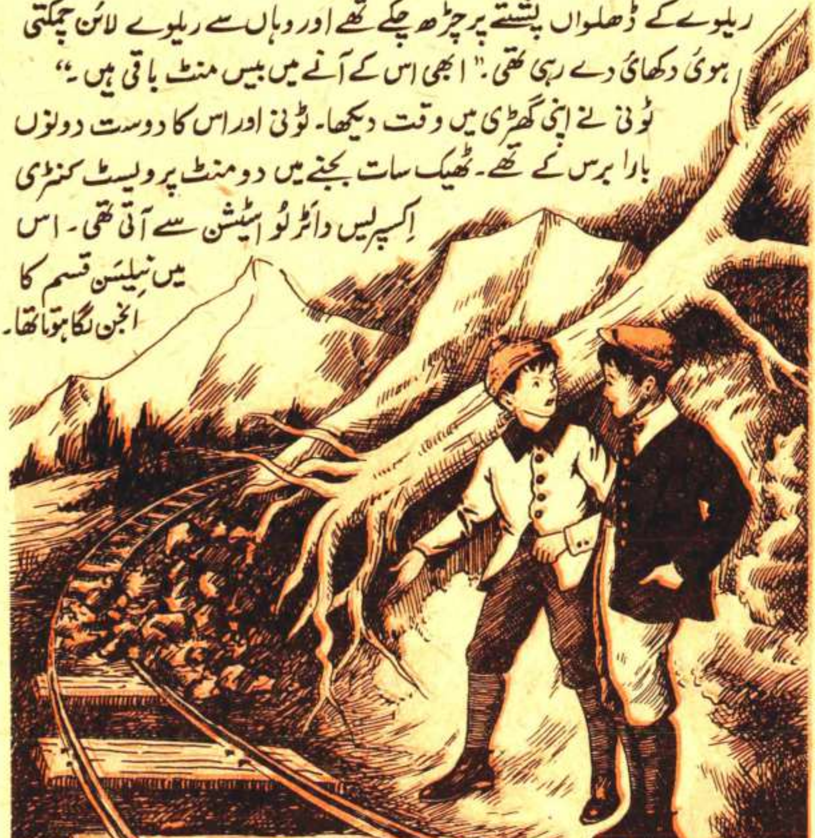

جس کا نام تھا لارڈ ہوڈ۔ انجن کا نمبر تھا ۳۰۸۵۹ ۔ یہ بڑا طاقت ور انجن تھا۔ ٹونی اور کرس کو یہ تمام باتیں اچھی طرح معلوم تھیں، کیوں کہ یہ دونوں ریل گاڑیوں کو آتے جاتے برابر دیکھتے رہتے تھے۔ فرصت کے وقت ان کی یہی خاص تفریح تھی۔

ہر شام کو یہ دونوں ایک خاص اونچی سی جگہ پر چڑھ جاتے تھے اور وہاں سے ریل گاڑی کو تیزی سے گزرتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ اگر کبھی ریل گاڑی کے آنے میں دیر ہوجاتی تھی تو یہ دونوں بڑے پریشان ہونے لگتے تھے۔ لیکن جب وہ ٹھیک وقت پر آجاتی... تو یہ دونوں اتنا خوش ہوتے تھے کہ جیسے خود انھوں نے اس ریل گاڑی کے آنے کا انتظام کیا ہو۔

ابھی سات بجنے میں تقریباً بیس منٹ باقی تھے۔ بقول کرس ابھی کافی وقت باقی تھا، مگر ٹونی کا خیال کچھ مختلف تھا کیوں کہ وہ آج یہ سوچ رہا تھا کہ اُوپر ہی اُوپر پیدل چلا جائے اور ریل گاڑی کو اس ڈھلوان مقام کے پاس جاکر دیکھا جائے جسے فورڈ ڈھلان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج دن بھر خوب زوروں کی بارش ہوچکی تھی مگر اب چاند نکل آیا تھا۔

"جب وہ اس ڈھلان سے آئے گی تو بڑی خوب صورت معلوم ہوگی۔" ٹونی نے کہا، "اور ہم لوگ اسے ایک میل کے فاصلے سے دیکھ سکیں گے۔ آؤ، چلو۔"

چناں چہ یہ دونوں ڈھلوان پر اوپر ہی اوپر آگے بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑی دُور جاکر کرس اچانک رُک گیا اور آگے اشارہ کرنے لگا۔

"ارے! وہ دیکھو..... اس جگہ پشتے کو کیا ہوگیا؟" ٹونی چلّایا۔ ریلوے لائن کے کنارے ایک جگہ پر ایک بہت بڑا درخت ٹیڑھا پڑا ہوا تھا۔ حالاں کہ درخت خود لائن پر نہیں گرا تھا مگر درخت کی جڑ کے پاس سے بہت سی مٹی اور پتھر لڑھک کر ریلوے لائن پر آگئے تھے اور ایک بہت بڑا سا ڈھیر جمع ہوگیا تھا۔ کرس نے کہا، "یہ طوفان کا اثر ہے۔ یاد ہے ابھی تھوڑی دیر قبل جو بجلی کڑکی تھی! غضب ہوگیا۔ ایکسپریس تو بس پندرہ منٹ میں آتی ہوگی!"

سارا دن بارش ہوتی رہی تھی لیکن آدھ گھنٹے پہلے اچانک ایک زبردست طوفان

آ گیا تھا۔ بجلی کڑکنے لگی تھی اور بڑے زور کے جھکڑ چلنے لگے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد طوفان ختم ہوگیا تھا اور چاند نکل آیا تھا لیکن جتنی دیر تک طوفان رہا اُس نے آفت برپا کردی۔ طوفان کس وجہ سے آیا؟' یہ بات اس وقت اتنی اہم نہ تھی۔ جو بات اہم تھی وہ یہ کہ ریل گاڑی کے آنے کا راستہ بند پڑا ہوا تھا اور پندرا منٹ کے اندر لارڈ ہوڈ آنے والا تھا۔

" آؤ چلیں،" ٹونی دوڑتے ہوئے چلّایا، "ہم کو فورڈ باکس پہنچنا ہے!"

پشتے کے آخیر میں فورڈ ڈھلوان کے پاس ایک سگنل باکس تھا جو یہ لڑکے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ ہیڈ سیلیٹر کو بھی جانتے تھے جو اس وقت سگنل باکس کا نگراں ہوگا۔ لڑکوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ لائن پر جو رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے اُس کی اطلاع سگنل باکس سے بھیج دی گئی ہے اور سب کو خبردار کردیا گیا ہے یا نہیں۔ مگر یہ لڑکے خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا انھوں نے طے کیا کہ ریل گاڑی کے آنے سے پہلے ہی فورڈو باکس پہنچا جائے۔ تاکہ اگر زمین کے کھسک جانے کی اطلاع ابھی تک نہیں کی گئی ہے تو اب کردی جائے۔

" میں شرط لگاتا ہوں کہ اطلاع نہیں کی گئی ہے۔" کرس نے ہانپتے ہوئے کہا، " اگر اطلاع کردی گئی ہوتی تو وہاں پر سُرخ بتّی دکھائی دیتی۔"

ٹونی نے سَر ہلا کر اتفاق کیا۔ ان دونوں کو اس سگنل باکس تک پہنچنے کے لیے تقریباً ایک میل کا راستہ طے کرنا تھا اور اتنے میں دور سے انھیں ایک گھنٹہ بجنے کی آواز سنائی دی۔ لڑکے سمجھ گئے کہ اس گھنٹے کے بجنے کا کیا مطلب ہے۔ جیل خانے سے کوئی قیدی بھاگ گیا ہے۔ تین میل کے فاصلے پر ایک جیل خانہ تھا۔ قیدی اکثر بھاگتے رہتے تھے۔ حالاں کہ وہ چند ہی گھنٹوں کے اندر پکڑ لیے جاتے تھے۔ عام حالات میں ٹونی اور کرس اس معاملے میں دل چسپی لیتے مگر اس وقت وہ ایک دوسرے کام میں مصروف تھے۔ اس وقت ان کا کام یہ تھا کہ جلد سے جلد سگنل باکس پہنچ جائیں اور ہیڈ سیلیٹر کو متنبہ کردیں کہ ریلوے لائن پر منوں ملبہ پڑا ہوا ہے۔

دوڑتے دوڑتے دونوں لڑکے آخرکار سگنل باکس کے پاس پہنچ گئے وہاں

بتیاں جل رہی تھیں۔ اس وقت ٹھیک سات بجنے میں دس منٹ تھے۔ اب بھی اتنا وقت تھا کہ ٹیڈ سِلیٹر اگلے سگنل باکس کو خبر بھیج دے اور اسی کے ساتھ ساتھ ریل گاڑیوں کے مرکزی کنٹرول کو بھی مطلع کر دے جو اس علاقے کی تمام ریل گاڑیوں کی آمد و رفت کا ذمہ دار ہے۔ دونوں لڑکے جب دوڑتے ہوئے سگنل باکس پہنچے تو انھیں کھڑکی میں ٹیڈ سلیٹر دکھائی دیا، مگر وہ ٹیڈ نہیں تھا بلکہ ایک اجنبی تھا۔ یہ شخص ایک روشن کھڑکی کے پاس کھڑا تھا، حالاں کہ سگنل باکس زمین سے تقریباً آٹھ فیٹ کی بلندی پر تھا پھر ٹونی اور کرس سمجھ گئے کہ یہ ٹیڈ نہیں ہے۔ ٹیڈ پستہ قد تھا اور کچھ کبڑا بھی تھا جب کہ یہ آدمی لمبا اور بھاری بھرکم تھا۔ جس وقت یہ لڑکے سگنل باکس کے نیچے سے گزرے تو اُس وقت یہ آدمی

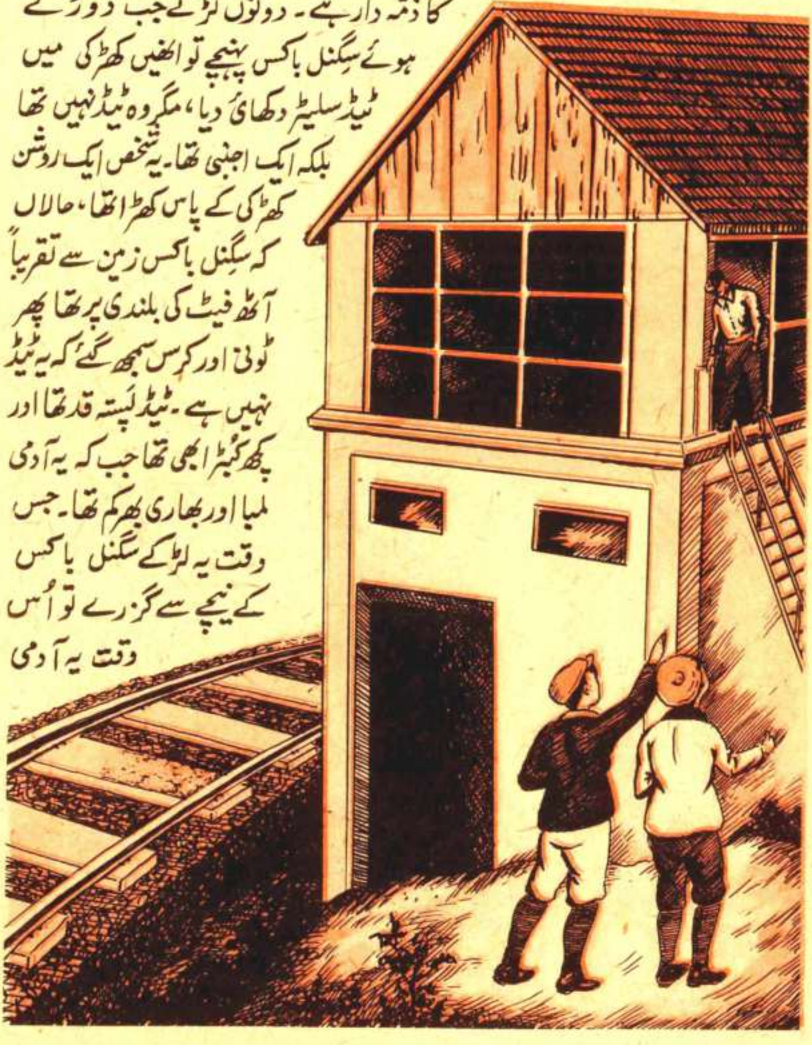

ایک جیکٹ پہن رہا تھا۔
"شاید ٹیڈ بیمار ہوگیا ہے۔" کرس نے ہانپتے ہوئے کہا، "بہرحال یہ آدمی بھی جو کچھ کرنا ہے کر دے گا۔" اب کرس اس سیڑھی کے پاس پہنچ چکا تھا جو سگنل باکس پر پہنچنے کے لیے لگی ہوئی تھی۔ وہ چلایا: "ارے سنو!.... تھوڑی دُور پر زمین کھسک گئی ہے اور ......"

وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا...... اندر فرش پر ایک جیکٹ پڑا ہوا تھا۔ کرس کا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یہ جیکٹ تو ایک قیدی کا تھا۔

قریب کے جیل خانے سے ایک قیدی بھاگ نکلا ہے۔ اور یہاں سگنل باکس میں ایک اجنبی ہے! علاوہ ازیں اس آدمی نے جو نیلا جیکٹ ابھی پہنا ہے وہ اس کے لیے بہت چھوٹا ہے۔ اور پھر اس آدمی کے بال بھی بالکل چھوٹے کٹے ہوئے ہیں۔ یہ وہی بھاگا ہوا قیدی ہے! اس نے ٹیڈ پر حملہ کر دیا ہوگا اور اس کے کپڑے اُتار لیے ہوں گے! ابھی یہ لڑکے اتنا ہی سوچ سکے تھے کہ اُس آدمی نے حملہ کر دیا۔ وہ بڑے زور سے غرّایا اور تیزی سے سیڑھی سے نیچے اُتر آیا۔ کرس کے اس نے ایک ایسا دھکا مارا کہ وہ دھڑام سے گر پڑا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے ٹونی کو زور سے کنارے کر دیا اور سیدھا بھاگتا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر وہ دوسری جانب چلا گیا۔

"ارے قیدی!" کرس نے لڑکھڑا کر اُٹھتے ہوئے کہا، "چلو اس کے پیچھے!"

ٹونی نے اُسے پکڑ لیا۔ قیدی کا کیا حشر ہوگا اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس وقت تو ریل گاڑی کی فکر کرنا تھی جو جھک جھکاتی ہوئی تیزی سے چلی آ رہی ہوگی اور لائن پر پتھر اور مٹّی کا ڈھیر راستہ روکے ہوئے ہے۔ اگر ریل گاڑی اس ملبے سے ٹکرا گئی تو بڑا زبردست حادثہ ہو جائے گا۔ "کرس۔ قیدی کو جانے دو..... ہمیں تو ریل گاڑی کو کسی طرح روکنا ہے۔"

یہ کہہ کر ٹونی سیڑھی پر چڑھنے لگا اور سگنل والی کوٹھری میں داخل ہوگیا۔ وہاں ٹیڈ فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ وہ صرف جانگیا اور قمیص پہنے تھا۔ اس کا پتلون اور جیکٹ قیدی نے چُرا لیے تھے۔ ٹونی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کوٹھری میں طرح طرح کے

لیور، تار اور آلے لگے ہوئے تھے۔ کاش یہ لڑکے اگلے سگنل باکس سے رابطہ قایم کرنا جانتے ہوتے مگر انھیں یہ کام نہیں آتا تھا۔ اُدھر وہ ایکسپریس آندھی کی طرح چلی آرہی ہوگی۔ اب سات بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ عین اسی وقت کوٹھری میں ایک گھنٹی بجی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ریل گاڑی اب ان پٹریوں پر آگئی ہے جو اس سگنل باکس سے سنبھالی جاتی ہیں۔ کرس نے ایک سُرخ جھنڈی ٹونی کے ہاتھ میں تھما دی اور ایک خود بھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دونوں لڑکے جھنڈیاں لے کر سیڑھی سے نیچے اُترے۔ اب اس وقت باتیں کرنے کا وقت نہیں تھا۔ لارڈ ہوڈ کو وقت پر روکنا تھا!

دونوں پٹریوں پر دوڑتے چلے گئے۔ انھیں اب دُور سے ریل گاڑی کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر وہ انھیں کی طرف آرہی تھی ذرا ہی دیر میں گاڑی

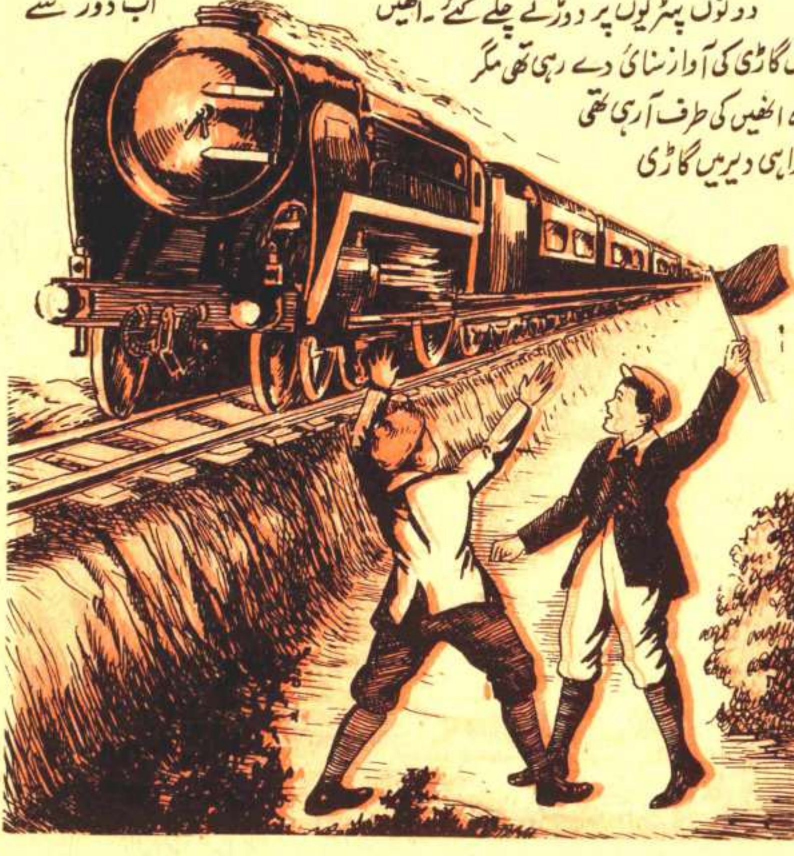

دکھائی دے گئی۔ اس کی کھڑکیوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ انجن دھواں چھوڑ رہا تھا۔ دونوں لڑکے سُرخ جھنڈیاں لیے پٹریوں کے بیچ میں آ گئے۔ چاند چمک رہا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا چاند کی روشنی اتنی تیز ہے کہ ڈرائیور اس روشنی میں دیکھ لے؟ ریلوے لائن دور تک سیدھی چلی گئی تھی۔

دونوں لڑکے سُرخ جھنڈیاں ہلاتے رہے اور چلاتے بھی رہے حالاں کہ وہ جانتے تھے کہ انجن کے شور میں ڈرائیور اُن کی آوازیں نہیں سُن پائے گا۔ لارڈ ہوڈ انجن ایک کالے دیو کی طرح چھک چھک کرتا ہوا لڑکوں کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ریل گاڑی کی رفتار کم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اسی تیزی سے چلی آ رہی تھی۔ لڑکے یہ جانتے تھے کہ اتنے زبردست انجن کے لیے رُکنا بھی آسان نہیں۔ خاص طور سے جب وہ اتنی تیزی سے آ رہا ہو۔ انجن لڑکوں کی جانب تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ فاصلہ ہر لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ بالکل قریب آ گیا۔ دونوں لڑکے کُود کر کنارے چلے گئے اور انجن گاڑی سمیت اُن کے سامنے سے گزر گیا۔ لڑکوں نے گاڑی کے مسافروں کی جھلکیاں دیکھ لیں۔ اب گاڑی لڑکوں کے پاس سے گزر کر سیدھی اسی ڈھلوان کی طرف چلی جا رہی تھی!

اچانک کرس نے ٹونی کا بازو دبوچ لیا اور چلایا "بریک لگائے جا رہے ہیں! وہ سمجھ گئے!" اس کا خیال صحیح تھا۔ انجن کے بریک لگائے جا چکے تھے۔ گاڑی کی رفتار کم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا وہ صحیح وقت پر بالکل رُک سکے گی؟ آخری ڈبا موڑ پر جاتا دکھائی دیا۔ اس کے بعد گاڑی لڑکوں کی نظروں سے غائب ہو گئی۔

دونوں لڑکے گھوم کر دوڑ پڑے۔ دوڑتے دوڑتے وہ اس موڑ پر پہنچے ،جہاں گاڑی گھومی تھی، وہاں پہنچنا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ریل گاڑی رُکی کھڑی ہے اور انجن میں سے بے تحاشا دُھواں نکل رہا ہے۔ گاڑی کے دروازے اور کھڑکیاں کھل رہی ہیں۔ گارڈ اپنے ڈبے سے نیچے اُتر رہا ہے۔ گارڈ نے دیکھا کہ لڑکے سُرخ جھنڈیاں لیے دوڑتے چلے آ رہے ہیں۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟ گاڑی کو کیوں روکا ہے تم نے؟ جانتے ہو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا!" گارڈ نے کہا۔

لیکن اتنے میں ایک فائرمین انجن سے اُتر کر گارڈ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے جو کچھ کہا اُسے سُن کر گارڈ کا لب ولہجہ بالکل بدل گیا۔ لارڈ ہُوڈ اُس جگہ سے صرف پچاس گز پہلے رُک سکا تھا جہاں پر زمین کھسک گئی تھی۔

ریل گاڑی بچ گئی۔ دو ہفتہ بعد برٹش ریلوے نے ہِنگ فورڈ ہال میں ایک میٹنگ کا انتظام کیا۔ ٹونی اور کرس ہیرو بن گئے۔ برٹش ریلوے کی طرف سے ایک نہایت اہم شخص نے دونوں لڑکوں کو مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے لڑکوں کو ایک چیک بھی دیا تاکہ اُنھیں یہ دن یاد رہے جب انھوں نے ریل گاڑی اور اُس کے انجن لارڈ ہُوڈ اور مسافروں کو تباہی سے بچالیا تھا۔

جیل خانے سے بھاگا ہوا قیدی بڑی آسانی سے پکڑ لیا گیا۔ پولیس کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ٹیڈ کا جیکٹ پہنے ہے تو پھر اُسے پکڑنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوی۔ ٹیڈ بھی ٹھیک ہوگیا۔ ہر ایک بات خیر وخوبی سے انجام کو پہنچی، لیکن ٹونی اور کرس اس دن کو کبھی نہ بھول سکے جس دن اِکسپریس ٹرین یقینی تباہی کی طرف چلی جارہی تھی۔

قائدِ اعظم اور اُردو

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں جو دہلی میں ہو رہا تھا۔ سر فیروز خاں نون نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں شروع کی تو ہر طرف سے شور وغل ہوا "اُردو، اُردو"۔
اس سے مجبور ہو کر انھوں نے کچھ جملے اُردو میں ارشاد فرمائے اور اس کے بعد پھر اپنی محبوب زبان انگریزی بولنے لگے۔ اس پر پھر "اُردو، اُردو" کا شور وغل ہوا۔
فیروز خاں نون نے جل کر کہا کہ مسٹر جناح بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔ یہ سُن کر قائدِ اعظم اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور صاف الفاظ میں فرمایا "سر فیروز خاں نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے، لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اُردو ہوگی"۔

(بابائے اُردو مولوی عبدالحق)

سَفَر

سُرور بجنوری

سب کو معلوم ہے سفر کیا ہے
اِس کا انسان پر اثر کیا ہے

سیر دنیا کی یہ کراتا ہے
جلوے ہر شہر کے دکھاتا ہے

جس ارادے سے آدمی جائے
کام کرنے کے بعد گھر آئے

غیر دِل چسپ تھا سفر پہلے
آج تو ہر قدم پہ دِل بہلے

ریل گاڑی کا ہے سفر اچھا
اُس میں رہتا ہے ہر گھڑی دھڑکا

حیثیت جِن کی ہے، جہازوں پر
کرتے رہتے ہیں دُور دُور سفر

تم بھی دیکھو فضا زمانے کی
سیر قدرت کے کارخانے کی

مانگتے ہیں دُعا مُسافر سب
خیریت سے کٹے سفر یا رب

جس کو حج کا سفر نصیب ہوا
زندگی کا سُرُور اس کو مِلا

صد سالہ جشنِ قائدِ اعظم

لاہور، ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء

مذاکرہ

اُردو، قائدِ اعظم کی نظر میں

زیرِ اہتمام

انجمن ترقی اُردو، لاہور — ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن، پاکستان

افتتاح : جناب جسٹس سجاد احمد جان

صدارت : جناب پروفیسر عبدالہاشم خان

مقررین : جناب ڈاکٹر سید عبداللہ، جناب ریٹائرڈ جسٹس عطاء اللہ سجاد، جناب محمد رمضان، جناب ڈاکٹر وزیر آغا

جسٹس سجاد احمد جان، جسٹس عطاء اللہ سجاد
ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر عبدالہاشم خان

پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور صرف اُردو ، اور اُردو کے سوا کوئی زبان نہیں ۔

قائدِ اعظم رح

اُردو ہمارے مذہبی و رُوحانی، تہذیبی و ثقافتی، علمی و ادبی سرمایے کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ یہ ملک کے ایک گوشے سے لے کر دُوسرے گوشے تک سمجھی جاتی ہے۔

پُروفیسر عبدُالہاشم خان

وائس چانسلر قائدِ اعظم یُونی ورسٹی

قائدِ اعظم کو پُورا احساس تھا کہ قومی اتحاد کے لیے قومی زبان ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چناں چہ انھوں نے بغیر کسی توقف یا ہچکچاہٹ کے اُردو کو قومی زبان قرار دیا..... کسی اجنبی زبان کا سہارا لینا ایسا ہی ہے جیسے مصنوعی ٹانگوں سے دَوڑ لگائی جائے یا دوسروں سے مانگے ہوئے پَروں پر اُڑنے کی کوشش کی جائے...... ایک قومی زبان اس وقت تک اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو کر حبُ الوطنی کے جذبے کی سرشاری میں اسے تہِ دل سے قومی زبان نہ سمجھا جائے اور اس کے لیے سارے راستے ہموار نہ کر لیے جائیں۔

جسٹس سجاد احمد جان

چیف الیکشن کمشنر، پاکستان

دنیا میں اکثریت ایسی زبانوں کی ہے جو اُردو کے مقابلے میں بالکل بے مایہ ہیں لیکن انگریزی مادری زبان والے ممالک کو چھوڑ کر کسی ایک جگہ بھی اپنی زبان کے سوا کوئی اور زبان دفتر اور عدالت اور تعلیم میں استعمال نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر سید عبدُاللہ

ناظم انجمن ترقیِ اُردو، پاکستان

پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے، اور یہ حتمی فیصلہ بانیٔ پاکستان کا ہے۔ اس فیصلے کی معنویت کو سمجھنا اور سمجھانا اور اس کے عملی پہلوؤں پر غور کرنا بھی قائدِ اعظم کی عظمت کو سلام کرنے کے مترادف ہے۔

حکیم محمد سعید

صدر ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن، پاکستان

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشو و نما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوّت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دار و مدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

مِعراج

سو دِن چور کے، ایک شاہ کا

رُبالو نے اس محنت اور توجہ سے کام کیا کہ جلد ہی اس کی شہرت دُور دور تک پھیل گئی اور اس کا کاروبار چمک اٹھا۔ پھر امیر آتو خان نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ربالو کا تعارف کروا دیا۔ پورے قصبے میں ایک بھی موچی اس کے مقابلے کا نہ تھا۔

ایک صبح رُبالو نے اپنی ماں سے کہا، "یہ دیکھئے امی!" رُبالو نے لکڑی کے ایک صندوق کا ڈھکنا کھول کر اُسے اُلٹ دیا۔ اُس میں سونے اور چاندی کے سکّے بھرے ہوئے تھے جو چھن چھن کرتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ رُبالو نے کہا، "امی جان! یہ ہے میری کُل جمع جتھا۔"

ماں خوش ہو کر بولی، "بٹیا، ذرا گن کر بتانا تو سہی۔ دیکھیں اس رقم سے ہماری کٹیا پر نئی چھت پڑ سکتی ہے یا نہیں۔ پچھلی برسات میں چھت سے بہت پانی ٹپکتا رہا۔ اور اب پھر برسات کا موسم آیا ہی چاہتا ہے۔"

ابھی رُبالو رقم گن ہی رہا تھا کہ بی فتورن جوتے مرمّت کروانے کے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ اتنی ڈھیر سی رقم دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

بی فتورن نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا، "اُوئی بہن، کیا کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہے تمھارے؟ یا پھر تم لوگوں نے کہیں ڈاکا ڈالا ہے آج؟"

رُبالو کی ماں نے غصّے سے کہا، "تمھارے منھ میں خاک۔ جو منھ میں آیا بکتی چلی جا رہی ہو۔ خدا نہ کرے کہ ہم لوگ تمھارے مَر بھکّے بھائی کی طرح ڈاکے ڈالتے پھریں۔ جاؤ بی، کوٹی اور گھر دیکھو، مجھے تمھاری بُری فطرت کا اچھی طرح پتا ہے۔ ابھی تم محلّے بھر میں ڈھنڈورا پیٹتی پھرو گی اور گھڑی بھر میں تمھارا چور اُچکا بھائی میرے گھر میں دھونس جمانے آ کھڑا ہو گا۔"

بی فتورن غصّے میں لال پیلی وہاں سے نکلی۔ وہ زور زور سے چیختی جا رہی تھی، "دیکھنا تو سہی، اگر میں نے اس بے عزتی کا بدلہ نہ لیا تو فتورن نام نہیں۔ بہت اشراف بنے پھرتے ہیں۔ ابھی کرتی ہوں خبر اپنے بھائی کو، پھر وہ سب کس بل نکال دے گا تمھارے۔"

اگلی صبح میاں رُبالو کے گھر پر ایک آدمی نے دستک دی اور کہا، "آپ کو میرا مالک غزّا خان بلا رہا ہے۔ وہ تم سے اپنے جوتے مرمت کروانا چاہتا ہے۔"

غزّا خان بی فتورن کا بھائی تھا۔ یہ سنتے ہی ماں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اُس نے کہا، "بیٹے رُبالو، تم ہرگز غزّا خاں کے گھر مت جانا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بی فتورن نے اُس کے کان بھرے ہوں گے اور وہ تم سے بدلہ لینے کو تیار ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمھاری جیب سے پائی پائی نکال لے۔"

رُبالو نے کہا، " تم سمجھتی ہو کہ میں غزّاخاں کے گھر اپنی جیب بھر کے لے جاؤں گا۔ ایسی کچّی گولیاں میں بھی نہیں کھیلتا۔ اگر غزّاخان نے ذرا بھی توں تڑاخ کی تو ایسا جواب دوں گا کہ اس کے دانت کھٹّے ہو جائیں گے۔

رُبالو نے دروازہ کھولا اور نوکر سے بولا " میں یہ سب مرمّت شُدہ جُوتے ان کے مالکوں کو واپس کر آؤں۔ واپسی میں دن چھُپنے کے قریب میں غزّا خان کے گھر آؤں گا، اور اپنے مالک سے جا کر کہہ دینا کہ میری اُجرت بہت زیادہ ہے۔ اگر اس نے ادا کرنے میں ذرا بھی حُجّت سے کام لیا تو میں اس سے اچھی طرح نبٹ لوں گا۔"

جب رُبالو گھر سے چلنے لگا تو ماں نے بہت دُعائیں دیں، سینے سے لگا کر پیار کیا اور ایک بار پھر تاکید کی، " بیٹا، ذرا احتیاط سے کام لینا۔ ایسے خطرناک آدمی کے منھ لگنا اچھا نہیں میرے لال۔"

رُبالو نے مسکرا کر کہا، " ماں ایسے اُچکّوں کو ڈھیل دینا بھی ٹھیک نہیں۔ آپ خدا سے دُعا کرتی رہیں۔ میں اسے ایسا سبق دوں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

رُبالو ہنستا مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اُس نے مرمّت شدہ جُوتے اُن کے مالکوں کو واپس کئے اور ہر ایک نے اسے نقد رُپے ادا کیے۔ جب وہ دن ڈھلے واپس لوٹا تو اس کی جیب رُپوں سے بھری ہوئی تھی۔

غزّاخان کا گھر بہت دور تھا۔ چلتے چلتے اسے شام ہو گئی۔ اندھیرا چھانے لگا تب رُبالو نے غزّاخان کے دروازے پر دستک دی۔ غزّاخان نے دروازہ کھولا، وہ بہت خوف ناک شکل کا آدمی تھا۔ اُس کی لمبی لمبی مونچھیں اور لال لال آنکھیں دیکھ کر رُبالو بھی سہم گیا۔ غزّاخان نے رُبالو کو گلے سے پکڑ لیا اور کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔ ذرا سی دیر میں اُس نے رُبالو سے دن بھر کی کمائی ہتھیا لی اور رُبالو چیختا رہ گیا " خبردار! اپنی بدتمیزی سے باز آجاؤ، ورنہ ایسا مزا چکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

غزّاخاں نے رُبالو کو دو چار جھٹکے دیے اور کہا " کیا کر لوگے تم میرا؟ ابھی تو برخوردار، مجھے تم سے سونے چاندی کے وہ سکّے بھی اُگلوانے ہیں جو تم نے جمع کر رکھے ہیں۔"

غزّاخاں نے رُبالو کو دو چار جھٹکے اور دیے اور بولا " مجھے کل ہی بہن فتورن سے پتا چلا

کہ تم امیر کبیر بن گئے ہو۔ تب سے میری رات کی نیند اور دن کا چین جاتا رہا ہے۔ اب تم مجھے سیدھی طرح اپنے گھر لے چلو ورنہ مار مار کر کھال اُدھیڑ دوں گا یا زندہ دفن کر دوں گا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو گی۔"

بے چارے رُبالو کی بتیسی بج رہی تھی۔ وہ کانپتے ہوئے بولا" مجھے جانے دو، مجھے چھوڑ دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں اپنی سب رقم دے دوں گا' لیکن خدا کے واسطے مجھے مارنا پیٹنا نہیں۔" غزاخان نے کہا،" مجھے تمھارے گھر کا راستہ معلوم نہیں۔"

ربالو بولا" میرے ساتھ ساتھ چلو، تم کو لے چلتا ہوں۔"

غزاخاں نے مضبوطی سے ربالو کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں چلے۔ پہاڑی کو پار کیا۔ میدان سے گزرے اور جنگل کے سرے پر بنے ہوئے ایک عجیب سے مکان پر پہنچے۔ یہ مکان گول گنبد کی طرح تھا اور اس کا آدھا حصہ جنگل کی تاریکی میں چھپ گیا تھا۔

رُبالو نے کہا،" اب تم دروازہ کھٹکھٹا کر اندر چلے جاؤ۔ اندر میری بوڑھی ماں بیٹھی ہو گی، تم اس سے اشرفیوں کی تھیلی لے لینا۔ میں بدبخت اپنی شکل ماں کو دکھانا نہیں چاہتا، کیوں کہ میں نے ماں کا حکم نہیں مانا اور یہ وقت دیکھنا نصیب ہوا۔"

غزاخاں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر اس زور سے لات ماری کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ کمرے کے درمیان میں ایک بوڑھی عورت کڑچھے میں گھی گرم کر رہی تھی۔ غزاخان نے اُس بوڑھی کو دھمکی دی، ڈانٹا ڈپٹا اور اس سے سخت لہجے میں کہا،" مجھے فوراً اشرفیوں کی تھیلی دے دو ورنہ میں تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گا۔" بڑھیا چیختی ہوئی بولی،" کیا بگاڑو گے تم میرا؟ میں ابھی تمھاری خبر لیتی ہوں نامُراد۔ میں ایسا سبق دوں گی تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

یہ کہتے ہی بڑھیا نے گرم گرم گھی کا کڑچھا غزاخاں کے منھ پر دے مارا۔ غزاخان کی درد اور تکلیف سے چیخیں نکلنے لگیں، مُنھ جھلس گیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

بھیا رُبالو کھڑکی کی شیشوں میں سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ خوشی سے اُچھلتا کودتا اندر داخل ہوا۔ یہ بڑھیا رُبالو کی خالہ دلاور خاتون تھی۔ اس کی دلیری اور ہمت کی

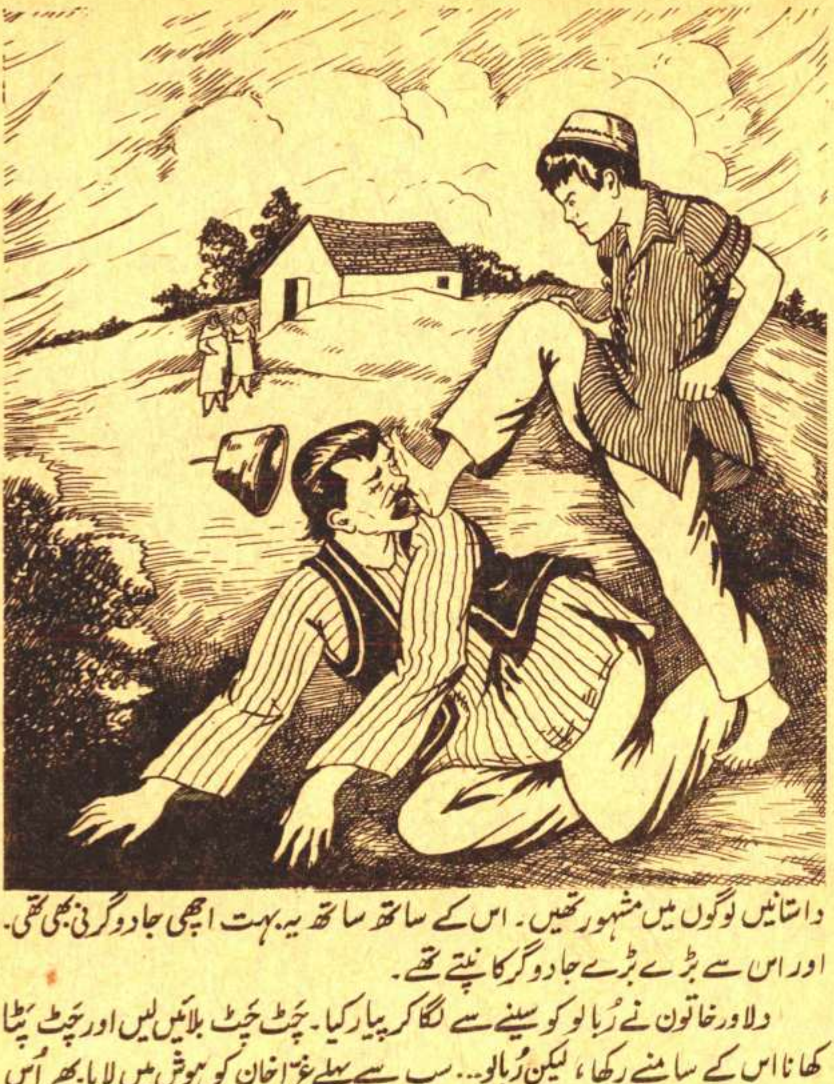

داستانیں لوگوں میں مشہور تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بہت اچھی جادوگرنی بھی تھی۔ اور اس سے بڑے بڑے جادوگر کانپتے تھے۔

دلاور خاتون نے رُبالو کو سینے سے لگا کر پیار کیا۔ چٹ چٹ بلائیں لیں اور چٹ پٹا کھانا اس کے سامنے رکھا، لیکن رُبالو... سب سے پہلے غرّا خان کو ہوش میں لایا۔ پھر اُس کی جیب سے اپنے رُپے نکالے اور اس کی گردن پکڑ کر کھینچتا ہوا کٹیا سے دُور تک لے گیا اور ایک زور کی لات رسید کی۔ غرّا خان اندھا ہوچکا تھا، اس لیے ٹٹولتا ہوا گرتا پڑتا کسی طرف کو روانہ ہوگیا۔ سچ ہے کہ "سو دن چور کے اور ایک شاہ کا۔ کبھی نہ کبھی تو اس کو ظلم کی سزا

ملنی ہی تھی۔ اُدھر خالہ دلاور نے گھوڑا گاڑی منگوائی اور اپنے پیارے بھانجے کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئی۔

گھر میں بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ میاں جی بٹن والے، بی بی صاحبہ بٹن والی اور بھیا بٹن والے۔ ان لوگوں کا بٹن بیچنے کا کاروبار تھا۔ ان کا بچہ، نام تو خیر اس کا کسی کو پتا ہی نہیں، سب لوگ اسے بٹن کہتے ہیں۔ ان سب لوگوں نے رُبالو اور اس کی خالہ کو خوش آمدید کہا۔

بی بی صاحبہ نے کہا، بیٹے رُبالو، بٹن تم سے ملنے کا بہت اشتیاق رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اس کی فرمائش پر تم سے ملنے آئے ہیں۔"

"بٹن۔ اوہو کیسا فضول نام ہے۔ بٹن، بٹن، توبہ مجھے تو اس نام سے ہی گھن آنے لگی ہے۔ رُبالو دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔ اتنے میں بٹن صاحب بھی آ گئے۔ گول مٹول سا جسم، لال گلال رنگ اور منھ پر بھدی سی ناک۔ ربالو کو یہ دیکھتے ہی اُبکائی آنے لگی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ گھر والے اسے آوازیں دیتے ہی رہ گئے۔ "رُبالو، رُبالو۔ ارے اپنے دوست بٹن سے تو ملتے جاؤ۔"

جب وہ گھر سے دُور نکل گیا، تب اسے خیال آیا کہ بازار جا کر کچھ کھانا پینا چاہیے۔ اس نے بٹوہ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ دھک سے رہ گیا۔ راستے میں کہیں اس کا بٹوہ گر گیا تھا۔ رُبالو بہت فکرمند ہوا۔ وہ بٹوے کی تلاش میں واپس ہوا۔ پگ ڈنڈی دیکھی، جھاڑیوں کو ہلایا جلایا، پتھروں کو ہٹایا، گڑھوں میں جھانکا، لیکن اسے بٹوہ کہیں نظر نہ پڑا۔

"کیا تمھارا کچھ کھو گیا ہے؟ بی فتورن نے اسے ڈھونڈتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں میرا بٹوہ گم ہو گیا ہے؟" بھیا رُبالو نے پریشان ہو کر کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے امیر آتو خان نے سڑک پر سے ایک بٹوہ اُٹھایا ہے۔" فتورن مُسکرا کر بولی۔

رُبالو بھاگم بھاگ امیر آتو خان کے پاس گیا اور ادب سے بولا، "جناب، آپ نے

میرا بٹوہ دیکھا ہے ؟ وہ کچھ دیر پہلے سڑک پر گر گیا تھا۔"

امیر آتو خان پریشان ہو کر بولے، "برخوردار، میں نے بٹوہ اُٹھایا تو تھا لیکن وہ میں نے ایک بچی کو دے دیا ہے۔"

رُبالو اُس بچی کا پتا پوچھتا پوچھتا اس کے گھر پہنچا۔ بچی کی ماں نے دروازہ کھولا تو رُبالو نے کہا، "تمھاری بچی میرا بٹوہ لے آئی ہے۔"

بچی کی ماں نے کہا، "بیٹا، وہ تو ابھی تک بازار سے نہیں لوٹی۔ شاید وہ کسی دکان پر کھڑی آلو چھولے یا ربڑی ملائی کھا رہی ہوگی۔"

رُبالو بھاگم بھاگ بازار پہنچا۔ بچی ایک دُکان کے آگے کھڑی آلو چھولے کھا رہی تھی۔ رُبالو نے چیخ کر کہا، "میرا بٹوہ کہاں ہے ؟ وہ امیر آتو خان نے تمھیں دیا ہوگا۔"

"ہاں وہ لال رنگ کا بٹوہ۔" بچی نے کہا، "وہ تو میں نے بھیا پکوڑی شاہ کو دے دیا ہے۔"

بے چارہ رُبالو پکوڑی شاہ کی تلاش میں نکلا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ نے اس کو آدھ مُوا کر دیا تھا۔ پکوڑی شاہ ایک میدان میں کبڈی کھیلتا ہوا مل گیا۔

بھیّا رُبالو نے کہا، "پکوڑی شاہ، میرا بٹوہ مجھے واپس کر دو۔"

پکوڑی شاہ نے کہا، "ایک بوڑھی عورت بٹوا تلاش کرتی پھر رہی تھی وہ بٹوا میں نے اُسے واپس کر دیا ہے۔"

رُبالو سر پیٹ کر بولا، "اوہ خدا، وہ بڑھیا کون تھی ؟ ذرا اس کا حُلیہ تو بتاؤ —" اب پکوڑی شاہ نے جو حلیہ بیان کیا تو وہ عین مین خالہ دلاور کا تھا۔ رُبالو بہت پریشان ہو کر اپنے گھر لوٹا۔

"خالہ جان، کیا میرا بٹوا آپ کے پاس ہے ؟" رُبالو نے خالہ دلاور سے پوچھا۔

خالہ دلاور محبت سے بولی، "بیٹے، وہ تو شروع سے میرے پاس ہی ہے۔ میں ذرا تم سے مذاق کر رہی تھی۔ اس لیے شکل بدل بدل کر تم سے ملتی رہی۔"

ربالو نے سخت شکایت بھرے لہجے میں کہا، "خالہ جان آپ نے مجھے کیوں اتنا پریشان کیا ؟"

ہمدرد نونہال، مارچ ۱۹۷۷ء

خالہ دلاور پیار سے بولی، "بیٹے تمھیں سبق بھی تو دینا تھا نا! تم بٹن کو حقیر سمجھ کر اُس سے ملے بغیر ہی چلے گئے تھے۔ مجھے تمھاری یہ بدتمیزی سخت ناگوار گزری۔" اب تو رُبالو اپنے دل میں سخت شرمندہ ہوا۔ اُس نے بٹن میاں سے معافی مانگی۔ اتنے میں ایک فقیر گلی میں صدا لگاتا ہوا گزرا۔ خالہ.... دلاور نے آواز دے کر اسے روکا اور کچھ روپے اُس کی جھولی میں ڈال دیے۔

"جانتے ہو یہ فقیر کون تھا؟" خالہ نے پوچھا، پھر خود ہی بولیں، "یہ غرّاخان تھا جو اَب بے بس و لاچار دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ ذرا تم بھی جھانک کر دیکھ لو کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کیا انجام ہے؟"

اُس وقت رُبالو کا بُرا حال تھا، سسکیاں بھر بھر کر رو رہا تھا اور اپنے قصور کی معافی مانگ رہا تھا۔

خریداروں سے

رسالے کی خریداری یا نہ پہنچنے یا دیر سے پہنچنے کے سلسلے میں بعض نونہال خط لکھتے ہیں، لیکن اپنا خریداری نمبر نہیں لکھتے، اس لیے ان کی شکایت دور کرنے میں دقت ہوتی ہے اور دیر لگتی ہے، کیوں کہ ہزاروں خریداروں میں ان کا نام اور پتا ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔

جب بھی آپ دفتر کو خط لکھیں اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیے۔ آپ کا خریداری نمبر رسالے کے لفافے پر پتے کے اوپر لکھا ہوتا ہے۔ یہ نمبر اپنے پاس نوٹ کر لیجیے اور اپنے خط، نام اور پتے کے ساتھ یہ نمبر بھی لکھ دیجیے۔ دفتر جلد توجہ کرے گا۔

رسالے کی خریداری یا رسالہ نہ ملنے یا دوسرے انتظامی معاملات کے سلسلے میں جو خط لکھیں اس میں مضمون یا کہانی کے متعلق کوئی بات نہ لکھیں۔ اس کے لیے ایڈیٹر کے نام علاحدہ کاغذ پر خط لکھیے، البتّہ لفافہ ایک ہی استعمال کر سکتے ہیں۔

بار ہا کہہ چکا ہوں کہ میں نے ہی آپ کے بچّے کو ڈوبنے بچایا ہے، لیکن پھر بھی بار بار پوچھ کر آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔
واہ صاحب! پوچھوں کیسے نہیں! مُنّے کے جُوتے جو غائب ہیں۔

نونہال مصوّر

محمدؐ اسمٰعیل بن ابراہیم، کراچی

مشتاق احمد قریشی ـــــ میرپور خاص

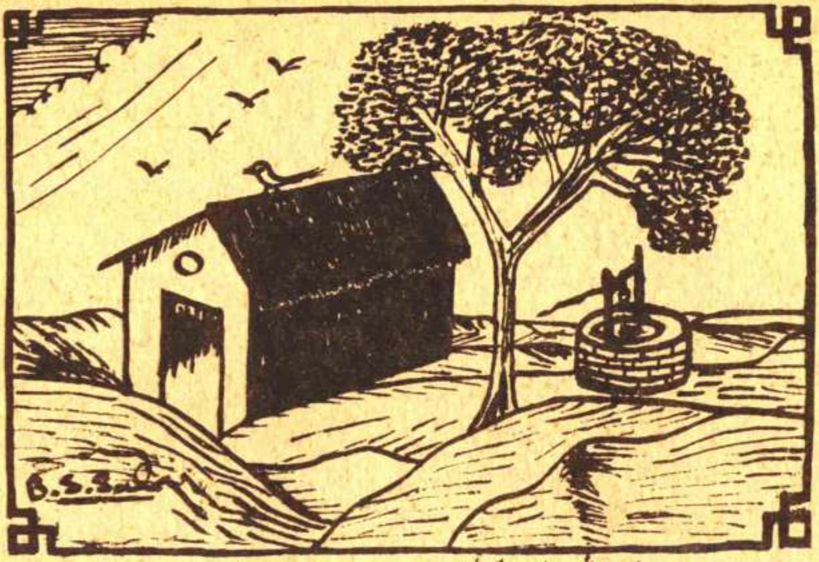

بابر شہزاد صابر ـــــ بہاولپور

خورشید جمال ـــــ کراچی

بچّوں میں دانتوں کی حفاظت کا احساس پیدا کیجیے
انہیں صبح و شام نیموڈینٹ سے
دانت صاف کرنے کی عادت ڈالیے

بچوں کو دانتوں کی صفائی پر مائل کرنا اب کچھ مشکل نہیں۔ ان میں یہ صحت مند عادت ڈالنے کے لئے لیموں، انناس اور اسٹرابیری ذائقہ کا نیموڈینٹ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے۔ نیم جیسے آپ کے مسوڑوں اور دانتوں کے لئے مفید ہے ویسے ہی بچوں کے ناپختہ دانتوں اور نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس سے زندگی بھر مسوڑے صحت مند اور دانت خوش آب رہتے ہیں۔ بچوں کا نیموڈینٹ ان کے دانتوں، مسوڑھوں کی طرح نازک ہے۔

بچوں کے لئے خصوصی پیکنگ ۳ ذائقے: لیموں، انناس، اسٹرابیری

نیموڈینٹ

نیم کے موثر جوہر سے تیار کیا ہوا ٹوتھ پاؤڈر گھر میں سب کے لئے یکساں مفید

بڑوں کے لئے نیموڈینٹ الگ پیکنگ میں دستیاب ہے

ہمدرد

Adarts H/NDT 4/73

ایک دِن کا ایڈیٹر

وِقار محسن

ایک دن کے بادشاہ کی کہانی تو آپ لوگوں نے سنی ہوگی۔ یہ زمانہ نہ تو خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ ہے اور نہ بادشاہوں کے عیش و عشرت کی داستانیں سُن کر ہمیں بادشاہت کا ارمان ہے، البتہ یہ ہماری دلی خواہش ایک عرصے سے تھی کہ کسی معیاری رسالے کے ایڈیٹر ہوں۔ اِس آرزو کی کتنی وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے محبوب رسالوں خاص طور سے ہمدرد نونہال کا انتظار ایک ماہ تک نہیں کرنا پڑے گا۔ اور ہر روز چٹ پٹے لطیفے، بہترین کہانیاں اور دل چسپ مضامین پڑھنے کو ملیں گے۔

اِس میں

اپنی تین چار کہانیاں ہر ماہ ضرور شائع کیا کریں گے۔ رانی، مکی اور فیصل کی جو کہانیاں معذرت کے ساتھ واپس آ چکی ہیں وہ دوستی کی لاج رکھتے ہوئے ہم شائع کر دیں گے۔

ملک بھر کے بچّے ہمیں خطوط لکھیں گے۔ مہینے کے آخر میں اپنی اور اپنے چند دوستوں کی کہانیاں پریس کے حوالے کرکے پورے مہینے آرام کریں گے۔ اس طرح کی بے شمار باتیں تھیں جن کی وجہ سے ہماری ایڈیٹر بننے کی خواہش دن بہ دن تیز ہوتی جا رہی تھی۔

حالاں کہ ہمیں اپنی آٹھ سالہ ناتجربے کار عمر، بدخطی اور املا کی غلطیوں کا احساس تھا، لیکن پھر سوچتے کہ جب انسان پر پڑتی ہے تو خود بخود راہیں کھلتی جاتی ہیں، لیکن اس خواہش کی تکمیل کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کچھ دن کباڑیوں کی دکانوں کے چکر لگائے تاکہ کوئی پرانا چراغ نظر آ جائے جس کے رگڑنے سے ہر خواہش پورا کرنے والا جن نمودار ہو جائے۔ ایک کباڑیے سے چراغ کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ میاں، صرف بیس پچیس چراغ پڑے تھے، وہ کے۔ ای۔ ایس۔ سی والے اور واپڈا والے لے گئے، کیوں کہ ان کے ہاں کام بہت ہے۔ دفتروں میں رات کو بھی کام ہوتا ہے۔

آخر کار بہت غور و فکر کے بعد جناب مسعود احمد برکاتی، مدیر ماہ نامہ ہمدرد نونہال کو ایک خط لکھا اور ڈرتے ڈرتے اپنی دلی آرزو کا اظہار کر دیا۔ امید تو یہی تھی کہ اس خط کی منزل بھی وہی ردی کی ٹوکری ہوگی جو ہمارے بیشتر مضامین کی آخری منزل رہی ہے، لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دن برکاتی صاحب کا خط موصول ہوا جس میں انھوں تحریر کیا تھا کہ وہ ایک ماہ کی چھٹی پر جا رہے ہیں اور جناب حکیم محمد سعید صاحب نے ہمیں عزت بخشی ہے کہ اس ایک ماہ کے دوران ہم نونہال کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کریں۔ خط پڑھتے ہی مسرت سے ہاتھ کانپنے لگے۔ دل چاہتا تھا کہ ۵ دسمبر کے بجائے آج شام ہی برکاتی صاحب چھٹی پر چلے جائیں اور اگلی صبح سے ہم نونہال کے دفتر میں بہ حیثیت ایڈیٹر پہنچ جائیں۔

آخر وہ صبح بھی آ ہی گئی جس کا بے قراری سے انتظار تھا۔ ہمدرد سنٹر کی شاندار بلڈنگ کے سامنے جب ہم آئے تو کچھ خوشی اور کچھ اعتماد کی وجہ سے ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ پھاٹک کے نزدیک چوکیدار کی طرف کنکھیوں سے دیکھا کہ کہیں وہ اندر داخل ہونے سے روک نہ دے پھر اپنے ایڈیٹر ہونے کا خیال آیا اور ذرا اکڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جب سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے

ٹیلے فون آپریٹر نے اُٹھ کر سلام کیا اور پہلی منزل پر کھڑے ہوئے چپراسی نے ہمیں دیکھ کر جلتی ہوئی سگریٹ کوٹ کی جیب میں ڈال لی تو ہمارے اندر اعتماد پیدا ہوا اور ہم ایک ایڈیٹرانہ ادا سے چلتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔

کرسی پر بیٹھتے ہی چپراسی کو بلانے کے لیے زور سے گھنٹی بجائی تاکہ چورنگی سے حلوہ پوری، مونگ پھلیاں اور گنڈیریاں منگوائی جائیں، پھر خیال آیا کہ یہ سب کچھ ایک باوقار ایڈیٹر کو زیب نہیں دیتا۔ اس لیے چپراسی سے آج کی ڈاک لانے کے لیے کہہ کر انگریزی کے اخبار پر نظریں گاڑ دیں۔

پہلے ہم نے ڈاک کے پلندے پر نظر ڈالی پھر ردّی

کی ٹوکری کی وسعت کا اندازہ کیا پھر اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے پہلا لفافہ کھولا۔ لوہاری گیٹ لاہور سے رومی اقبال کا خط تھا، لکھا تھا:

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم!

نومبر کا شمارہ نظر سے گزرا اس قدر فضول اور بے کار رسالہ نکال کر نہ صرف آپ اپنا وقت برباد کرتے ہیں بلکہ ہمارا بھی۔ آپ ایڈیٹری کی بجائے پرچون کی دکان کھول لیں۔

خلوص کیش: رومی اقبال

خط پڑھ کر دماغ بھنا گیا۔ غصّے سے خط ردّی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے دوسرا لفافہ کھولا۔ میرپور خاص سے جمشید احمد نے لکھا تھا:

محترم ایڈیٹر صاحب، السّلام علیکم!

اتنا پیارا، اتنا دل چسپ اور معیاری رسالہ نکالنے پر میری دلی مُبارک باد قبول فرمائیں۔ اس ماہ بھی لطیفے بے حد دل چسپ تھے۔ مہربانی فرما کر لطیفوں کی تعداد میں اضافہ کر دیں۔

نیاز کیش: جمشید

یہ خط پڑھ کر طبیعت کچھ خوش ہوئی۔ فوراً ڈائری میں نوٹ کیا کہ اگلے ماہ سے لطیفوں کی تعداد دُگنی کر دی جائے گی۔

اگلا خط شہناز انجم کا، لیاقت آباد، کراچی سے تھا۔ تحریر تھا:

محترم بھائی جان، سلام مسنون!

اس ماہ کا شمارہ بے حد دل چسپ تھا، البتہ لطیفوں کی بھرمار تھی۔ برائے مہربانی لطیفوں کی تعداد کم کر دیں۔

آپ کی بہن: شہناز

اب ہم چکرائے، دو تین خط پڑھتے ہی بارہ بج گئے۔ کچھ دیر بعد ہمارے اسسٹنٹ نے اطلاع دی کہ کاتب صاحب کی ایک ماہ کی رخصت کی درخواست آئی ہے۔ یہ سنتے ہی ہم چونک پڑے۔ آج پانچ تاریخ تھی اور دس تاریخ تک سارا رسالہ پریس میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ دوڑے دوڑے

کاتب صاحب کے دولت خانے پر گئے۔ بے حد خوشامدوں کے بعد وہ اس شمارے کی کتابت پر راضی ہوئے۔ اسی دوڑ دھوپ میں دوپہر کے کھانے کا ہوش بھی نہ رہا۔ تین بجے کے قریب چائے منگوائی۔ پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب نے ایک اور خبر سنائی کہ آرٹسٹ صاحب کل اپنی بھانجی کی شادی میں شہدادپور چلے گئے ہیں۔ ایک ہفتے بعد واپس آئیں گے۔ یہ سن کر ہم سر پکڑ کر بیٹھ گئے، کیوں کہ وقت بہت کم تھا، اس لیے ہم نے سوچا کہ اب تک جو کچھ ڈرائینگ اسکول میں سیکھی ہے اسے کام میں لایا جائے تاکہ رسالہ وقت پر نکل سکے۔ کہانی "شریر چڑیا" کی تصویر بنانا شروع کی جس میں چڑیا خوبانی کے درخت پر بیٹھی گا رہی تھی۔ ایک دو گھنٹے کی محنت کے بعد ہم نے کہانی اور تصویر کاتب صاحب کے پاس بھجوائی کہ وہ بھی ایک نظر ڈال لیں۔ کچھ دیر بعد کاتب صاحب عینک درست کرتے ہوئے کہانی کا مسودہ اور ہماری بنائی ہوئی تصویر لیے تشریف لائے اور کہنے لگے،

"جناب! کہانی میں گدھ کا ذکر تو کہیں نہیں ہے۔ یہ تصویر میں گدھ کو تربوز کے درخت پر بیٹھے کیوں دکھایا گیا ہے؟"

ہم نے ان کو یقین دلانے کی بہت کوشش کی کہ یہ تصویر گدھ کی نہیں ایک ننھی چڑیا کی ہے اور یہ درخت تربوز کا نہیں بلکہ خوبانی کا ہے، لیکن اُن کو اطمینان نہ ہوا۔

شام کے چھ بجے بورڈ کی میٹنگ تھی، اس لیے ہم میز پر تمام کاغذات اسی طرح چھوڑ کر میٹنگ میں چلے گئے۔ نہ آج شام کو بیڈمنٹن کھیلنے کا خیال اور نہ اس کی پروا ہوئی کہ صبح امی گاجر کا حلوہ بنا رہی تھیں جو شام کی چائے پر کھایا گیا ہوگا۔ میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔ جناب حکیم محمد سعید صدر مجلس تقریر کر رہے تھے:

"آپ حضرات کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ "نونہال" محض ایک تفریحی رسالہ نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مقصد قوم کے معماروں کے کردار کی تکمیل کرنا ہے۔ آپ لوگوں کا واسطہ ننھے لیکن بے حد حساس اور ذہین نقادوں سے ہے۔ آپ کے اوپر یہ ذمے داری ہے کہ نونہال کے ذریعے سے آپ ان کے ذہنوں کو ایسے سانچوں میں ڈھالیں کہ ہمارے یہ دمکتے ہوئے چراغ نہ صرف اچھے شہری بلکہ اچھے انسان بھی بن سکیں۔ اس مقصد کے لیے ہمدرد نونہال کے ہر کارکن کو اور زیادہ محنت اور خلوص سے کام کرنا اور بہترین ادیبوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔"

جناب صدر کے الفاظ سن کر مجھے بے حد شرمندگی ہو رہی تھی کہ یہ لوگ کس خلوص اور لگن سے رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور میں اپنی اور اپنے دوستوں کی فضول کہانیوں اور نظموں سے پُر کر کے اس کی اشاعت کے مقصد ہی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

رات کے نو بجے میں پھر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا اور ایک نئے جذبے کے ساتھ ایک ایک خط کو غور سے پڑھنے لگا۔ غنودگی کے عالم میں اچانک میرا سر لیمپ سے ٹکرا گیا اور اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں چونک کر بستر سے اُٹھا۔ دھوپ کمرے میں پھیل چکی تھی۔ پاپا ہاتھ میں چائے آج کا اخبار اور نونہال کا تازہ شمارہ لیے کمرے میں آئے اور مسکراتے ہوئے رسالہ میرے حوالے کر دیا۔

آج مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جو رسالہ ہر ماہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آ جاتا ہے، اس کے لیے کتنے آدمی کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کو کن کن مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

پھیری والا

مشرقی لندن کے ایک قصبے میں ایک غریب آدمی رہتا تھا اس کا نام گراہم تھا۔ اپنی غریب بیوی اور بد حال بچّوں کے ساتھ ایک پُرانے کچّے مکان میں رہتا تھا۔ گراہم کوئی کام نہیں جانتا تھا۔ غربت کی وجہ سے وہ اس قدر کم زور تھا کہ محنت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ جاڑوں کے دن تھے، لیکن اس کی بیوی بچّوں کے پاس اور خود اس کے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں تھا۔

اس کے گھر کے صحن میں ایک بہت پُرانا درخت تھا۔ گراہم اور اس کی بیوی نے سوچا کہ اس درخت کی لکڑیاں کاٹ کر ان سے کچھ دن کے لیئے تاپنے کا انتظام کرلیں اور کچھ لکڑی فروخت کر کے گھر کا کام چلانے کے لیے تھوڑے سے پیسے حاصل کرلیں۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ درخت کاٹا کیسے جائے۔ اگر کسی سے کٹوائیں تو وہ اپنی مزدوری طلب کرے گا۔ اس لیئے دونوں نے طے کیا کہ درخت خود ہی کاٹ لیں۔ گھر میں ایک پرانی زنگ آلود آری تھی۔ گراہم نے اُسے درخت پر آزمانا شروع کیا، لیکن درخت کی لکڑی مضبوط تھی۔ درخت کا کچھ نہ بگڑا آری کے دو ٹکڑے ہو گئے اب سوائے اس کے کیا کیا جا سکتا تھا کہ بازار سے کلہاڑی خریدی جائے مگر گراہم کے لیے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔ گراہم اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بالوں کے رِبَن، بٹن اور اسی طرح کی چھوٹی موٹی چیزیں پھیری لگا کر فروخت کر لیا کرتا تھا اور اس طرح دن بھر میں تھوڑی سی آمدنی ہو جاتی اور بڑی مشکل سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ جب درخت کی طرف سے مایوسی ہوگئی تو گراہم کی بیوی نے کہا کہ یہ پہاڑ جیسے جاڑے بغیر آگ اور گرم کپڑوں کے کیسے گزریں گے؟ گراہم نے دماغ لڑایا مگر دونوں تھک ہار کر بیٹھ رہے اور طے کیا کہ بیٹھ کر سردی کھانے سے بہتر ہو گا کہ اپنے ناکافی بستر میں کس طرح رات گزار لیں۔

دوسرے دن جب گراہم سو کر اٹھا تو اس کا چہرہ کچھ معمول سے زیادہ ہی ہشاش بشاش تھا اس کی بیوی نے اس کی یہ کیفیت محسوس کر کے پوچھنا چاہا مگر گراہم اپنا رات کا خواب اسے سنانے کے لیے خود ہی بے چین تھا، وہ بولا کہ رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے دن پھرنے والے ہیں اور شاید اس جاڑے کے ختم ہونے سے پہلے ہی ہم خوش حال ہو جائیں گے۔ بیوی نے سوچا کہ شاید میری باتیں اُسے بُری لگی ہیں اور اُن کے اثر سے اسے رات بھر نیند نہیں آئی اور اب یہ پریشان حالی میں یہ سب کچھ بک رہا ہے۔ پھر بھی اس نے اپنے غریب شوہر کا دل رکھنے کو پوچھ ہی لیا کہ آخر وہ خواب کیا تھا جسے دیکھ کر تمھارا مارے خوشی کے یہ حال ہو رہا ہے۔ گراہم نے جواب دیا، "میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آواز دے رہا ہے، میں نے کان لگائے تو ایک مقدس اور باوقار سی آواز تھی اور کہنے والا مجھ سے کہہ رہا تھا،

”گراہم، تُو اُٹھ اور لندن شہر کے پُل پر جا کھڑا ہو، اگر تو نے میری یہ نصیحت مان لی تو تُو مالا مال ہو جائے گا۔“

یہ سُن کر گراہم کی بیوی کو اپنے شوہر کی سادگی پر ہنسی آ گئی، وہ کہنے لگی کہ اگر ایسے خوابوں پر دُنیا کا کاروبار چلنے لگے تو پھر کوئی بدحال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔ جن لوگوں کے پاس اور کچھ نہیں ہوتا انھیں ایسے خواب ہی تو نظر آتے ہیں۔ مگر گراہم نے بیوی کی ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔ وہ دن بھر اس خواب کے چکّر میں رہا اور آج اسی وجہ سے وہ دل لگا کر اپنا سامان بھی نہیں بیچ پایا۔ شام کو جب گھر لوٹا تو اس کی جیب میں اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ رات کے

کھانے کا بندوبست ہو جائے۔ لیکن کام کسی نہ کسی طرح چل ہی گیا اور سب کھا پی کر سو گئے۔ آدھی رات گزری ہوگی کہ گراہم ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ شور سُن کر بیوی کی آنکھ کھُل گئی تو گراہم نے بتایا کہ میں نے پھر کل والا خواب دیکھا ہے اور آج میں نے طے کر لیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح لندن ضرور جاؤں گا، شاید ہماری قسمت لندن کے پُل پر میری منتظر ہو۔ بیوی نے سمجھا بجھا کر اسے پھر سلا دیا مگر گراہم بستر میں لیٹا ہوا چُپکے چُپکے لندن جانے کے منصوبے بناتا رہا۔ صبح اُٹھ کر اُس نے بیوی سے کہا کہ، جلد ہی بہار کا موسم آنے والا ہے اور پھیری کا سامان میرے پاس بہت کم رہ گیا ہے۔ میں آج قریب کے قصبے میں اپنے چچا کی دُکان سے سامان لینے جاؤں گا۔ پھر جیسے جیسے سامان بکتا جائے گا ان کے پیسے ادا کر دیے جائیں گے۔ گراہم کی بیوی نے سوچا چلو گراہم اپنا خواب بھول گیا۔ اس نے سفر کی تیاری میں گراہم کی مدد شروع کر دی۔ گراہم نے بیوی سے وعدہ کر کے کہ وہ تین چار دن میں لوٹ آئے گا، چل پڑا مگر اس سڑک پر نکل پڑا جو لندن شہر جاتی تھی اور کوئی ڈھائی دن چلنے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ لندن آ گیا۔ وہ بغیر اپنی تکان دور کیے پُل پر پہنچا اور ایک موچی کی دُکان کے آگے کھڑا ہو گیا۔ بھلا لندن میں اس دیہاتی وضع کا سامان کون خریدتا مگر شاید کچھ لوگوں کو اس کے پھٹے پُرانے کپڑوں اور اس کی سادگی پر رحم آ گیا اور تھوڑا سا سامان بک ہی گیا۔

دن تو گزر گیا اب رات کا مسئلہ تھا۔ گراہم نے سوچا کہ خواب کی بات پوری ہونے میں ابھی ایک آدھ دن تو ضرور لگے گا۔ یہ سوچ کر وہ ایک دکان کے آگے اپنے پُرانے کوٹ میں سکڑ کر لیٹ رہا۔ صبح ہوئی تو وہ پُل کے دوسرے کنارے پر جا کھڑا ہو گیا مگر کوئی نئی بات پیش نہیں آئی اور اس طرح چار دن گزر گئے۔ پانچویں دن اس کا کوئی سامان کسی نے نہیں خریدا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا تھا وہی ٹھیک تھا۔ میں خواہ مخواہ ایک خواب کے پیچھے یہاں تک آ گیا۔ یہ سوچتے ہی اسے بیوی کا خیال آیا اور بچے یاد آئے۔ پانچ دن گزر گئے: یہ خیال کر کے اسے پریشانی ہونے لگی اور اس نے سوچا کہ دن پورا ہونے سے پہلے مجھے اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا، مگر پھر اُس نے سوچا کہ میں نے دوبارہ خواب دیکھا ہے، آخر کوئی تو بات ہوگی ہی، ایک دن اور انتظار کر لیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ پھر موچی کی دکان کی طرف چلنے لگا جہاں پہلے دن تھوڑی سی بکری ہو گئی تھی، مگر وہاں کھڑے ہو کر بھی آج وہ کچھ نہیں بیچ پایا۔

شام ہونے لگی تو وہ روہانسا ہوگیا۔ آس پاس کوئی ہمدرد نظر نہیں آیا اور وہ بغیر کچھ سوچے موچی کی دُکان کی طرف بڑھ گیا۔ جب موچی نے اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟ گراہم نے اپنی ساری بپتا موچی کو سنائی تو موچی خوب ہنسا اور بولا، "میاں ایک خواب کے پیچھے تم دیوانے ہو کر گھر بار چھوڑ کر یہاں سڑک پر دن کاٹ رہے ہو۔ انگلستان تو کیا شاید ساری دُنیا میں تم جیسا بے وقوف اور سادہ آدمی نہیں ہوگا۔ بھائی، خواب یقین کرنے کی چیز نہیں ہوتے۔ میں خود چار دن سے مسلسل یہ خواب دیکھ رہا ہوں کہ کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ یہاں سے ڈھائی دن کی دوری پر ایک قصبہ ہے۔ اس قصبے میں گراہم نامی ایک غریب پھیری والا رہتا ہے۔ اس کے گھر کے صحن میں ایک بہت پُرانا درخت ہے۔ اس درخت کے نیچے سونے کے دو برتن ہیں جس میں اشرفیاں بھری ہیں۔" موچی نے خواب سنانے میں گراہم اور اس کے قصبے کا نام بھی لیا اور بولا کہ "نہ تو میں اس قصبے سے واقف ہوں نہ اس نام کے کسی شخص سے، مگر یہ خواب چار دن سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں اس شخص اور اس گاؤں کو تلاش کرنے نکل جاؤں تو لوگ مجھے بے وقوف ہی سمجھیں گے۔" ادھر گراہم کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اور اس نے ظاہر کیا کہ جیسے وہ موچی کی نصیحت مان گیا ہے۔ وہ بگٹٹ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

تیسرے دن شام کے وقت اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا، تھکن سے اس کا رُواں رُواں دُکھ رہا تھا۔ بیوی نے دروازہ کھول کر اسے اس حال میں دیکھا اور جب اُسے معلوم ہوا کہ اس کے پاس پھیری کا سامان بھی نہیں ہے تو بہت پریشان ہوئی۔ گراہم نے کسی طرح اسے سارا حال سنایا اور بولا، "پڑوس سے کُدال مانگ لاؤ۔"

کُدال لائی گئی اور گراہم نے درخت کے نیچے زمین کھودنی شروع کی۔ کھودتے کھودتے اندھیرا ہوگیا۔ گراہم کی بیوی سوچ رہی تھی کہ میں نے اسے اتنا پریشان کیا کہ یہ بے چارہ پاگل ہوگیا۔ اُسے رونا آنے لگا، مگر گراہم کی حالت ایسی تھی کہ اُسے اِس وقت کچھ سمجھانا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ بیوی نے خدا جانے کیا سوچا اور اُٹھ کر اس کے ہاتھ سے کُدال لے لی اور خود بھی زمین کھودنے لگی۔ اُس نے پہلی ہی کُدال پر محسوس کیا کہ کوئی چیز کُدال سے

مکرائی۔ اب گراہم کی حالت دیکھنے کی تھی۔ وہ بیوی سے بولا، "تم نے کسی چیز کی آواز سُنی ؟"

گراہم کی بیوی بولی، "ہاں کچھ ہے تو!"

دونوں نے مل کر ہاتھوں سے مٹی ہٹائی تو سونے کی ایک کلیا نظر آئی۔ اُسے صاف کرکے کھولا تو اس میں سے خالص سونے کے سکے نکلے اور ایک پرچی، جس پر لکھا تھا:

"ایسی ہی ایک کلیا اور ہے، خدا تمھاری مدد کرے۔"

دونوں نے اور مٹی ہٹائی تو دوسری کلیا بھی جو پہلی کلیا سے خاصی بڑی تھی، نظر آئی۔ اُسے نکالا تو کئی سو سونے کے سکے نکلے۔ دونوں نے اس عجیب و غریب خواب اور اس خزانے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور طے کیا کہ اِس خوشی میں گاؤں کے غریبوں کو شریک کریں گے، چناں چہ دونوں نے گاؤں کے غریبوں کی دعوت کی اور کچھ رقم لگا کر بچوں کا ایک چھوٹا سا مدرسہ کھول دیا اور باقی رقم سے گراہم نے پہلے تو اپنے بچوں کے لیے گرم کپڑا اور کھانے پینے کا سامان خریدا، پھر اپنا مکان ٹھیک کروایا اور ایک چھوٹی سی دکان کھول لی۔

معلوماتِ عامّہ کے جوابات بھیجنے والوں کے لیے ضروری ہدایات

- اکثر جوابات پر دو اور کبھی کبھی تین تین نونہالوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ ہر نونہال صرف اپنے نام سے جوابات بھیجے اور ہر نونہال کے جوابات الگ کاغذ پر لکھے ہونے چاہییں۔
- معلوماتِ عامہ کے جوابات ہر ماہ کی بیس تاریخ تک بھیج دیجیے۔ اس کے بعد موصول ہونے والے جوابات شامل نہیں کیے جا سکتے۔
- معلوماتِ عامہ کے جوابات جس کاغذ پر لکھیں اس پر اپنا نام اور مکمل پتا ضرور لکھیے۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے۔
- بعض نونہال اپنا پورا نام نہیں لکھتے۔ مثال کے طور پر صرف این۔ ایم یا ایم۔ این لکھ دیتے ہیں۔ اپنا نام مختصر لکھنے کے بجائے اردو میں پورا نام لکھیے۔
- ایک نونہال جوابات کے ساتھ اپنی صرف ایک تصویر بھیج سکتا ہے۔ بعض نونہال اپنے ناموں کو بدل کر مختلف تصاویر ادارے کو بھیجتے ہیں جو صحیح بات نہیں ہے۔

جاگو جگاؤ

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

پیارے بچو! جاگو جگاؤ۔ عِلم حاصِل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دُوسروں تک عِلم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصِل کرنا اور دُوسروں تک عِلم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے ——— حکیم محمد سعید، ہمدرد

س : یہ بات سمجھائیے کہ ریگستانوں میں سَراب کیوں نظر آتے ہیں؟ مہربانی ہوگی۔

عصمت غفار، کراچی

ج : کسی بھی چیز کا نظر آنا روشنی پر منحصر ہے۔ دُوسرے الفاظ میں جب روشنی کی کرن کسی چیز سے ٹکرا کر ہماری آنکھوں میں داخل ہوتی ہے تو وہ چیز ہمیں نظر آتی ہے، جیساکہ ذیل کے خاکے میں دکھایا گیا ہے:-

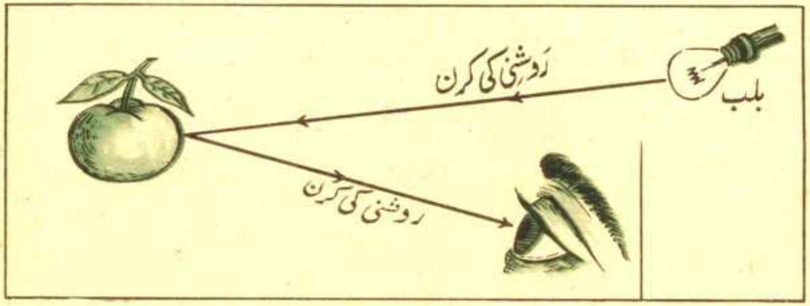

ریگستانوں میں ملکے اور جھلکتے ہوئے رنگوں کا سَراب اکثر گرمی کے موسم میں دکھائی دیتا ہے۔ سراب اس ریتلی زمین کو کہتے ہیں جو چاند یا سُورج کی چمک سے پانی کا دھوکا دیتی ہے۔ یہ نظر کا دھوکا روشنی کی کرن میں خم پیدا ہو جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ریگستانوں میں گرمی کے موسم میں ریت بہت گرم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے زمین کی سطح کے قریب کی ہَوا بھی گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے جب کہ سطحِ زمین سے دُور کی ہَوا ٹھنڈی اور بھاری ہوتی ہے۔ جب روشنی کی کرنیں کسی درخت یا کسی ریگستانی جانور سے ٹکرا کر ٹھنڈی اور بھاری ہَوا سے گزرتی ہوئی سطحِ زمین کے قریب کی گرم اور ہلکی ہَوا میں داخل ہوتی ہیں تو اُن کرنوں میں خم پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان کی نظریں دھوکا کھا جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ایک اور خاکہ پیش کر رہے ہیں جس پر غور کرنے سے آپ اچھی طرح سمجھ جائیں گے کہ یہ نظری دھوکا کس طرح پیدا ہوتا ہے۔

اِس خاکے میں دکھایا گیا ہے کہ روشنی کی کرنیں ایک کھجور کے درخت اور ایک اُونٹ سے ٹکرا کر ٹھنڈی اور بھاری ہَوا سے گزرتی ہوئی سطحِ زمین کے قریب کی گرم اور ہلکی ہَوا میں داخل ہوتے ہی خم کھا کر اوپر ہو گئیں۔ یہ خم کھائی ہوئی کرنیں انسان کی آنکھوں میں داخل ہو رہی ہیں۔

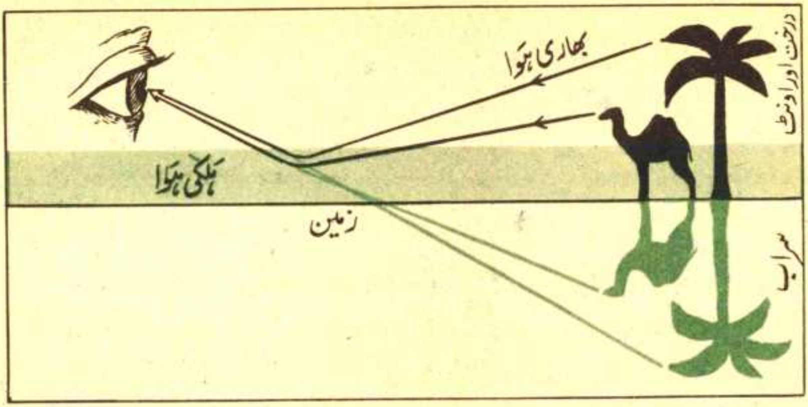

ان کرنوں کو خاکے میں کالے رنگ کی لکیروں کے ذریعے سے دکھایا گیا ہے۔ چوں کہ انسان پیدائشی طور پر روشنی کی کرن کو سیدھی لائن میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے، اِس لیے وہ سیدھا اُسی سمت میں دیکھتا ہے جس سمت اور زاویے سے روشنی کی کرنیں خم کھا کر اس کی آنکھ میں داخل ہوتی ہیں، جیساکہ رنگین لکیر کے ذریعہ سے کیا گیا ہے۔ کھجور کے درخت اور اونٹ کا اُلٹا نقش جو نظر آرہا ہے اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ صرف نظری دھوکا ہے۔ اسے سایہ یا عکس بھی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

س : ہوا کی لہروں کو کس طرح قابو میں کیا جا سکتا ہے؟

(یاسمین فضل علی، حیدرآباد)

ج : آپ کا سوال کچھ صاف نہیں۔ غالبًا آپ یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ تیز ہَوا کو کس طرح قابو کیا جاسکتا ہے اور اُس سے کیا کام لیے جاسکتے ہیں۔ دُنیا کے بعض ملکوں میں سارا سال تیز ہَوا چلتی ہے اور وہاں اُس سے طرح طرح کے کام لیے جاتے ہیں، مثلاً ہَوا کے ذریعے چکّی چلائی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے بڑے بڑے پنکھے اِستعمال کیے جاتے ہیں، جنھیں ہَوا بڑے زور سے گھماتی ہے۔ اِسی طرح تیز ہوا سے جنریٹر چلا کر بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ تیز ہَوا سے دُوسری مشینیں بھی چلائی جاسکتی ہیں۔ یہ ہَوائی قوت کی بڑی اچھی شکل ہے، بشرطے کہ وہ برابر چلتی رہے. اگر ہَوا رُک جائے گی تو ظاہر ہے یہ مشینیں بھی رُک جائیں گی۔

س : ہم غذائی قلت کو سمندر کے ذریعے کیسے دُور کر سکتے ہیں ؟

(فرخندہ تنویر، لاہور)

ج : زمین پر خشکی کے مقابلے میں تری زیادہ ہے۔ دُنیا کے سمندر طرح طرح کی نباتات اور حیوانات سے پُر ہیں۔ انسان اُن سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ بحری خس و خاشاک (گھاس پھوس) اور طرح طرح کی مچھلیاں اور کیڑے تک غذا کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کیلی فورنیا (امریکا) کے ساحل کے قریب بڑے پیمانے پر بحری گھاس کی کاشت کی جا رہی ہے۔ جاپان نے سمندر قریب ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہاں کے باشندے ایک قسم کی بحری گھاس کو ساگ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اُس کی ایک قسم اچار مربّوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ غریب لوگ اسے صبح ناشتے پر ٹماٹر یا انگور کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ میں بحری گھاس کی ایک قسم "لیور" کہلاتی ہے۔ اس سے کھانے کی لذّت بڑھ جاتی ہے۔ آئرلینڈ میں اُس سے جیلی تیار کی جاتی ہے۔ ایک اور گھاس ہے جسے سُکھا کر آٹے کی طرح پیس لیا جاتا ہے اور اُس سے روٹی اور کیک تیار کیے جاتے ہیں۔ بحری گھاس جانوروں کو بھی کھلائی جاتی ہے۔

س : جب ہم ٹیلے فون میں بولتے ہیں تو ہماری آواز صرف تار کے ذریعے ہزاروں میل تک کیسے پہنچ جاتی ہے؟

(عبدالغنی حاجی اسمٰعیل عیسانی، کراچی)

ج : آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ آواز تاروں پر چلتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم چند گز کے بعد کوئی آواز نہ سُن سکتے۔ آپ ٹیلے فون کے جس حصّے میں بولتے ہیں اُسے "ماؤتھ پیس" یا "مائیکرو فون" کہتے ہیں اور اُس میں ایسا انتظام ہوتا ہے کہ آواز فوراً برقی ارتعاشات یا لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ برقی لہریں آن کی آن میں تاروں پر ہوتی ہوئی اُس فون میں پہنچ جاتی ہیں جہاں آپ بات کر رہے ہیں۔ دُوسری طرف آپ کا دوست اپنا فون کان پر لگاتا ہے تو اُس حصّے میں جسے "ایرپیس" (EAR PIECE) کہتے ہیں، ایسا انتظام ہوتا ہے کہ برقی لہریں پھر آواز کی لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یُوں آپ کی آواز آپ کے دوست تک پہنچ جاتی ہے۔

س : کیا پُرانے زمانے میں ایسے درخت ہُوا کرتے تھے جو انسان کو اپنی شاخوں میں لپیٹ کر ہضم کر جاتے تھے اور کیا اب بھی ایسے درخت موجود ہیں؟

(منور آفتاب راہی، کراچی)

ج : یہ درست ہے۔ پُرانے زمانے میں ہی نہیں اب بھی دنیا کے بعض حصّوں میں ایسے درخت

موجود ہیں جن کی شاخیں انسان کے جسم کو جکڑ لیتی ہیں لیکن ہم انھیں مردم خور درخت اس معنی میں نہیں کہہ سکتے کہ انھیں انسان سے کوئی دشمنی ہے، بلکہ خون اور گوشت اِن درختوں کی غذا میں شامل ہے، جیسے بعض درندے خوں خوار ہوتے ہیں۔ اِن درختوں کو کوئی بھی جان دار ایسا مل جائے جس سے انھیں اپنی غذا حاصل ہو سکتی ہے تو وہ اسی کو جکڑ کر اس کا خون چوس لیتے ہیں، لیکن ایسے درختوں کی تعداد بہت کم ہے اور بعض سیاحوں نے ہی اُن کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

س: کیمرے میں تصویر کِس طرح بن جاتی ہے؟

(ریحانہ شاہین نیلو، کراچی)

ج: کیمرے کو اندر سے بالکل تاریک رکھا جاتا ہے۔ روشنی کو اندر نہیں جانے دیا جاتا، سِوائے اُس روشنی کے جو اُس چیز سے ٹکرا کر لینس (LENSE) میں داخل ہو رہی ہے جس کی تصویر آپ کو اُتارنی ہے۔ یہ روشنی لینس کے ذریعے سامنے فِلم پر اُس چیز کا اُلٹا عکس ظاہر ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے اُسے نگیٹیو (NEGATIVE) کہتے ہیں۔ اُس میں سیاہ رنگ سفید معلوم ہوتا ہے اور سفید رنگ سیاہ۔ دایاں بایاں ہو جاتا ہے اور بایاں دایاں۔ یہ نگیٹیو مُدّتوں کام آسکتا ہے۔ اُس کے پیچھے تصویر بنانے والا کاغذ رکھ کر اصل تصویر بنائی جاتی ہے۔ اس کاغذ کو پرنٹنگ پیپر کہتے ہیں۔ روشنی نگیٹیو میں سے گزرتی ہے تو کاغذ پر اُس کا نگیٹیو یعنی پوزیٹیو (POSITIVE) آجاتا ہے۔ کاغذ کو پھر ایک محلول میں ڈال کر دھو لیا جاتا ہے تو اصل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیے کہ فوٹو گرافی میں اصل ترقی اُس وقت ممکن ہوئی جب فِلم ایجاد ہو گئی اور پھر اس فن نے تیزی سے ترقی کی۔ اب ساری دُنیا میں بے شمار فلمیں بن رہی ہیں۔ سنیما بھی اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب ایسا کیمرہ ایجاد ہو گیا ہے جو فوراً تصویر بنا دیتا ہے۔ نگیٹیو پوزیٹیو کا کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔

رُوح افزا کا ہر گلاس ...

تسکین بخش: گرمی کے ناگوار اثرات سے بچاتا ہے۔ پیاس کو بجھاتا اور فوری تسکین بخشتا ہے۔

تازگی بخش: طبیعت میں فرحت پیدا کر کے ہر وقت تازہ دم رکھتا ہے۔

راحت بخش: اپنے خواص اور خوبیوں کی بدولت پورے جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔

صحت بخش: تپش اور لُو کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

بے شک رُوح افزا کا ذائقہ اور تاثیر دونوں اپنی جگہ لاجواب اور لاثانی ہیں۔

ہمدرد رُوح افزا مشروبِ مشرق

Adarts HR A-2/74

اخبار نونہال

لمبی زبان

ہندستان کا ایک جوگی ہری داس حیرت انگیز اور انوکھی زبان کا مالک ہے۔ وہ اپنی زبان اس قدر لمبی کر سکتا ہے کہ وہ ہونٹوں سے لے کر پیشانی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ کمال اسے کافی عرصے کی کوشش و محنت کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اُسے اس سلسلے میں کئی دفعہ آپریشن بھی کروانا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص دنیا کا واحد انسان ہے جو اپنی زبان کو اتنا دراز کر سکتا ہے۔ ایک عام آدمی اپنی زبان کو تین انچ سے زیادہ باہر نہیں نکال سکتا۔

(مرسلہ: محمد ادریس آدم غازی، کراچی)

ریل سائکل

یوں تو آپ نے قسم قسم کی سائکلیں دیکھی ہوں گی، لیکن، شاید ریلوے سائیکل آپ کی نظر سے نہ گزری ہو۔ یہ سائکل ریل کی پٹریوں کی دیکھ بھال اور مرمّت کرنے والے مزدوروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ سائیکل ایک پٹری پر چلتی ہے۔ دوسری پٹری پر توازن برقرار رکھنے کے لیے ایک چھوٹا سا پہیا ہوتا ہے۔ یہ سائیکل پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے

چل سکتی ہے۔ ہلکی اتنی کہ سامنے سے ریل گاڑی آتی دکھائی دے تو ایک آدمی آسانی سے اُسے پٹری سے اُتار سکتا ہے۔

(مرسلہ: وصی الدین، راولپنڈی)

زہر کا تریاق

جو چیز ایک شخص کے لیے زہر ہوتی ہے وہ دوسرے کے لیے تریاق کا کام بھی دے سکتی ہیں۔ امریکا کے ریڈ انڈین صدیوں سے تیروں کی نوک اور نیزوں کی انیوں پر ایک بڑا تیز قسم کا زہر لگا رہے ہیں۔ حال ہی میں انکشاف ہوا ہے کہ یہ زہر بہت سے اعصابی اور قلبی بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔ ماہرین نے گرم خطّوں میں پائے جانے والے چمک دار اور رنگین مینڈکوں کی کھالوں سے ۸۰ قسم کے زہر حاصل کیے ہیں۔ اگر ان کو الگ الگ استعمال کیا جائے تو وہ جان لیوا ہوتے ہیں، مگر ان سے تیار کردہ دوائیں دل کے امراض کے لیے مفید ہیں۔ یہ کم زور دل کا فعل معمول پر لے آتی ہیں۔ یہ زہر اعصابی خلیوں کی بناوٹ تبدیل کر کے دل اور دوسرے اعضا کو جانے والی اعصابی لہروں کو متاثر کرتے ہیں۔

(مرسلہ: ندیم اسلام، کراچی)

جیبی ٹیلے وِژن

ایک برطانوی فرم نے دُنیا کا پہلا پاکٹ ٹیلے وِژن بنانے کا اِعلان کیا ہے۔ یہ جیبی ٹیلے وِژن جس کا مختصر اسکرین تقریباً دو انچ یعنی ۵ سینٹی میٹر ہوگا ایک ہاتھ میں انگوٹھے اور انگلیوں کے درمیان پکڑا جا سکے گا۔ اس کی قیمت ٹیکسوں کے ساتھ ۲۰۰ پونڈ رکھی گئی ہے۔ اس سیٹ کی فروخت لندن میں شروع ہو چکی ہے۔ اِس سیٹ پر دُنیا کے کسی حصّے سے بھی پیغام موصول ہو سکتا ہے۔ اس کی تیاری اور ریسرچ پر ۱۲ سال میں پانچ لاکھ پونڈ صرف ہوئے ہیں۔ اور سالِ رَواں میں یہ دنیا بھر میں فروخت ہونے لگے گا۔ یہ ٹیلے وِژن سنکلائر ریڈیونکس نے بنایا ہے۔

(مرسلہ: سید علی الدین احمد، کراچی)

خیال کے پھول

★ کسی شخص کو راہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔
(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)
مرسلہ: محمد طارق محمود۔ اسلام آباد

★ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور امانت لے تو خیانت کرے۔
(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)
مرسلہ: سید حسین کلیم، راولپنڈی

★ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، وہ بدلہ نہیں لیتا۔
(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)
مرسلہ: ایم اے بابو ناشاد، شکارپور

★ خدا کے نزدیک سب سے پیاری بات والدین کی خدمت ہے۔ (جنید بغدادیؒ)
مرسلہ: محمد اقبال شمسی، لاہور

★ اپنے نفس کو مال و دولت کے لیے ذلیل نہ کرو۔
(بابا فرید گنج شکرؒ)
مرسلہ: اقبال احمد قریشی، میرپور خاص

★ نیکی اور بدی کے درمیان اتنی باریک لکیر ہوتی ہے کہ نظر نہیں آتی۔ (امام غزالیؒ)
مرسلہ: سید مقبول احمد، کراچی

★ کانٹوں بھری شاخ کو پھول خوبصورت بناتا ہے۔
(گولڈ اسمتھ)
مرسلہ: حیدر رضا خان۔ کراچی

★ ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ (نیوٹن)
مرسلہ: انور رشید، کراچی

★ انقلاب شہر والے نہیں گاؤں والے لاتے ہیں۔
(ماؤزے تنگ)
مرسلہ: محمد سلیم بھٹی، شیخوپورہ

★ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے۔
(افلاطون)
مرسلہ: عبدالواحد شباب بلوچ۔ تربت

★ مطالعہ انسانی دماغ کے لیے وہی اہمیت رکھتا ہے جو ورزش انسانی جسم کے لیے رکھتی ہے۔
(رچرڈ اسٹیل)
مرسلہ: محمود الحسن الماس، لائل پور

★ ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے (اورنگ زیب)
مرسلہ: انور جاوید، لاڑکانہ

★ انسان کے سارے رنج اور ساری مصیبتیں خواہشوں کے باعث ظہور میں آتی ہیں۔ (گوتم بدھ)
مرسلہ: آفتاب حسین فخرالدین، کراچی

صحت مند نونہال

فہیم ناز ، لاڑکانہ ۔ سندھ

ضیاء الدین احمد ، کراچی

خواجہ عبدالخالق صدیقی ، کراچی

اظہر سعید ، گوجرانوالہ

زاہد محمود ، اناج بازار سکھر

محمد رفیق ، نواب شاہ

مسعود احمد ، کراچی

رفیق انور، میرپور خاص

محمد نعمان خان، کراچی

عبدالرحمٰن خاں، سندھ

شعیب اللہ شیخ، کراچی

شفیق احمد فخری، حیدرآباد

شہزادہ عنایت اللہ تبسم، ڈیرہ اسمٰعیل خاں

محمد رزاق ضیاء، آزاد کشمیر

بے بی شاہین اختر، نواب شاہ

سہیل محمد یوسف، کراچی

سلسلہ ۱۳۱

معلوماتِ عامّہ

مرتبہ: کھتری عِصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ مارچ ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور اُن پر معلوماتِ عامّہ ۱۳۱ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھیے۔ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے میں شائع کی جائیں گی۔

۱۔ دِق و سِل سے بچاؤ کے ٹیکے کا نام بتائیے۔
۲۔ جب پاکستان میں دِن کے بارہ بجے ہوں تو نیویارک (امریکا) میں کیا وقت ہوگا؟
۳۔ موجودہ انتخابات سے قبل پاکستان میں صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کب ہوئے تھے؟
۴۔ ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کا دن تاریخ میں کیوں اہم سمجھا جاتا ہے؟
۵۔ نائیلون اور ریان کا فرق مختصر طور پر لکھیں۔
۶۔ چمگادڑ اُڑتے وقت ایک خاص قسم کی لہریں چھوڑتی ہے جو درپیش رُکاوٹ سے ٹکرا کر واپس اس کے کانوں تک پہنچتی ہیں۔ اس اصول سے کونسا آلہ ایجاد ہوا ہے؟
۷۔ اولمپیا، یونان میں واقع ایک میدان ہے۔ بتائیے یہ کس وجہ سے قدیم زمانے سے مشہور چلا آرہا ہے؟
۸۔ آدم کا پُل کہاں واقع ہے؟
۹۔ پاک آرمی کے جنرل کے عہدے کے برابر نیوی اور ائر فورس کے عہدوں کا نام بتائیے۔
۱۰۔ بتلائیے فولاد سخت ہے ہیرا؟

اِس شمارے کے مشکل الفاظ

تَعاقُب	پیچھا کرنا۔
حِراست	حفاظت، قید، نظربندی۔
تَوَقُّف	دیر، ٹھہرنا۔
جَتھا	گروہ، بھیڑ، ٹولی۔
سَیل	سیلاب، طُغیانی، پانی کا بہاؤ۔
سَنسار	دُنیا، مخلوق۔
ریزِش	گرنا، بہنا، نزلہ۔
سُست رَوی	آہستہ چلنا، سُستی۔
نَدامت	شرمندگی۔
اُفتاد	حادثہ، مصیبت۔
اَڑنگا	رُکاوٹ، کُشتی کا ایک داؤ۔
غوطہ خور	ڈُبکی لگانے والا۔
مُحافِظ	حفاظت کرنے والا۔
قَباحَت	بُرائی، خرابی۔
کلاں	بڑا۔
مَعرِفت	جان پہچان، اللہ تعالےٰ کو پہچاننا۔
ننگ	شرم، غیرت، بدنامی۔
پاچک	سُوکھا ہوا گوبر، اُپلا
جِہَت	سمت، طرف۔
حَسّاس	بہت محسوس کرنے والا، زیادہ احساس کرنے والا۔
رِیاضَت	محنت، مشقت۔
فَہم	عقل، سمجھ، دانائی۔
لَہو ولَعَب	کھیل کُود، سیر تماشا۔
تَکَلُّف	نمائش کے طور پر کوئی کام کرنا، ظاہرداری، ٹھاٹ باٹ۔
مَرہُونِ مِنّت	احسان مند، شکر گزار۔
اِفراط	زیادتی، کثرت۔
یگانہ	بے مثل، اکیلا۔
سِپاس	شکریہ، شکرگزاری
بُحران	نازک وقت، بیماری کا زور۔
ہَیئت	حالت، صورت، اصلیت۔
ہَیبت	ڈر، خوف، رُعب داب۔
رِفاہ	بھلائی۔
کرب	درد، بے چینی۔
جوت	روشنی، آنکھ کا نور۔
حَذف	دُور کرنا، علاحدہ کرنا، لفظ میں کوئی حرف کم کرنا۔
ڈگر	راستہ، طریقہ۔
سَلب	کھینچنا، چھیننا۔
نیستی	نہ ہونا، عدم، ناداری، نحوست۔

بچّوں کے لیے ایک خوب صُورت تحفہ

جاگو جگاؤ

حکیم محمد سعید کا مشہور و مقبول کالم
کتابی شکل میں

شائع ہو گیا

بچوں کے سب سے مقبول اور پسندیدہ رسالہ ہمدرد نونہال میں حکیم محمد سعید ہر مہینے اپنا کالم جاگو جگاؤ لکھتے ہیں۔ اس کالم میں وہ اپنے مخصوص انداز میں بڑے کام کی باتیں لکھتے ہیں، وہ باتیں جو زندہ رہنے، ترقی کرنے اور کام یاب ہونے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔

جاگو جگاؤ کی زبان سادہ اور دل نشیں ہوتی ہے اور اس کو بچّے بڑے سب بہت شوق اور دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ دس سال کے کالموں میں سے انتخاب کرکے مسعود احمد برکاتی نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور ۴۷ جواہر پاروں کو یکجا کرکے ایک دل کش کتاب مرتب کر دی ہے۔ پوری کتاب دو رنگ میں بہت عمدہ سفید کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ سرورق رنگین اور بچّوں کی تصویروں سے آراستہ ہے۔

جاگو جگاؤ ایک ایسا حسین اور قیمتی مجموعہ ہے جو آپ اپنے دوستوں کو بھی تحفے میں دے سکتے ہیں۔

قیمت: دو رُپے

پاکستان میں ہر اچھے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

ہمدرد اکیڈمی، ہمدرد سنٹر، کراچی ۱۸

رنگ برنگی پھلجھڑیاں

★ گاہک بے چارہ کافی کا انتظار کرتے کرتے تنگ آچکا تو ہوٹل سے اُٹھ کر جانے لگا۔ اتنے میں بیرا دوڑا ہوا آیا اور میز پر کافی رکھتے ہوئے بولا، "ناراض نہ ہوں جناب، بڑی مزے دار کافی لایا ہوں، جنوبی امریکا کی ہے۔"

گاہک نے جواب دیا، "معاف کرنا مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم میری خاطر اتنی دُور چلے گئے تھے۔"

(سید عرفان ضیا ترمذی، کراچی)

★ ایک شخص ریڈیو کی دکان پر اپنا پُرانا ریڈیو فروخت کرنے لے گیا۔ دکان دار نے ریڈیو کی خراب حالت دیکھ کر کہا، "ایک سو رُپے دے سکتا ہوں۔" اُس شخص نے کہا، "بس! صرف ایک سو رُپے! میرے پڑوسی صرف اِس بات کے تین سو رُپے دے رہے ہیں کہ میں اسے نہ بجاؤں۔"

(ارشد بخاری، کورنگی)

★ جج: (چور سے) تم نے یہ کپڑوں کا سوٹ کیس کیوں چُرایا ہے؟

چور: حضور، میں اکثر آپ جیسے لوگوں کے سامنے حاضری دیتا رہتا ہوں، اِس لیے پُرانے کپڑے پہنتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (حفیظ الحق اعوان، سرگودھا)

★ ایک بچّہ اسکول سے رزلٹ لے کر آیا تو سیدھا باپ کے پاس پہنچا اور بولا، "ابّو، ابّو، آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔" باپ نے حیران ہو کر پوچھا، "کیسے؟"

بچّہ جلدی سے بولا، "آپ کو اس سال کتابیں نہیں خریدنی پڑیں گی۔ میں اس سال بھی اس کلاس میں رہ گیا ہوں۔" (مُراد بخش دل شاد آب سری بلوچ)

مسافر: (رکشا ڈرائیور سے) بھئی تم جب موڑ پر اتنی تیزی سے رکشا گھماتے ہو تو مجھے خوف آتا ہے۔

ڈرائیور: کوئی بات نہیں جی۔۔ آپ بھی میری طرح آنکھیں بند کر لیا کریں۔

مالک: (نوکر سے) تم نے مچھلی دھو کر کیوں نہیں پکائی؟

ذکر: یہ ہر وقت پانی میں رہتی ہے، بھلا اس کو دھونے کی کیا ضرورت ہے۔

(انوار المقنطرہ ہاشمی، کراچی)

★ ایک کلرک دفتر سے جلا بھنا آ رہا تھا۔ راستے میں ایک تانگے والا مل گیا۔ اُس نے پوچھا، بابو جی، کہاں جانا ہے؟

کلرک: جہنم میں!

تانگے والا: واپس بھی آؤ گے یا وہیں رہو گے؟

(محمد جلیل احمد، لائل پور)

★ ایک آدمی رات کے وقت سائیکل پر جا رہا تھا کہ سامنے سے پولیس والے نے اسے اشارہ کیا اور زور سے کہا، رُک جاؤ، کیوں کہ تمھاری سائیکل کی بتی نہیں ہے۔ سائیکل سوار بھی زور سے چلّایا، ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ، کیوں کہ اس سائیکل کے بریک نہیں ہیں۔

(رحمت اللہ، ہزار خیل، موچھ شریف)

★ استاد: (شاگرد سے) گورنمنٹ کسے کہتے ہیں؟

شاگرد: جو منٹ منٹ پر غور کرے۔

(سعید طاہر چوہدری)

★ رات کے وقت میں اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھ کر ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ اچانک چودھویں کا چاند بادلوں کے اوٹ میں چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ یہ دیکھ کر میری چھوٹی بہن ثمینہ بولی، بھیّا چاند کی بیٹری ختم ہو گئی کیا؟

(محمد شفیق، کراچی)

★ ایک دیہاتی اپنے گاؤں سے دیسی گھی لے کر شہر جانے کے لیے ریل گاڑی میں بیٹھا۔ ریل گاڑی میں بہت رش تھا۔ اُس نے گھی کا ڈبّہ گاڑی روکنے والی زنجیر سے لٹکا دیا۔ جس کی وجہ سے گاڑی رُک گئی۔ جب گارڈ صاحب اندر آئے تو گھی کے ڈبّے کو لٹکا ہوا دیکھ کر کہنے لگے، "یہ کس کا گھی کا ڈبہ ہے؟ اس کی وجہ سے گاڑی رُک گئی ہے؟" یہ سُن کر دیہاتی نے جواب دیا، "دیکھ لیجیے خالص گھی کی طاقت۔"

(وصی الدین، راولپنڈی)

★ پرویز (ناصر سے) تم جیب میں پتھر کیوں ڈالے رکھتے ہو؟

ناصر: آج کل جس کی جیب بھاری ہوتی ہے اس کی عزت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

★ ایک لڑکا (دوسرے سے) میرا بڑا بھائی بہت بڑا موجد ہے، اس نے حال ہی میں ایک صابن کی ٹکیا بنائی ہے جو آٹھ فیٹ لمبی اور پانچ فیٹ چوڑی ہے۔

دوسرا: تو تم نہاتے وقت اتنی بڑی صابن کی ٹکیا کس طرح پکڑتے ہو گے؟

پہلا لڑکا: بھئی صابن ہاتھ میں پکڑ کر تھوڑی ملتا ہوں، بس ٹکیا پر بیٹھ کر ادھر اُدھر پھسلتا ہوں۔

(محمد اقبال غوری، نواب شاہ)

★ باپ: (بیٹے سے) میں نے سُنا ہے کہ تم بات بات پر قسم کھاتے ہو۔

بیٹا: نہیں ابّا جان: خدا کی قسم آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ (محمد اعظم، گردی ٹیری)

بزمِ نونہال

• جنوری ۱۹۷۷ء کا نونہال دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ "شرفو صاحب" پڑھ کر دل میں یہ خیال آیا کہ دنیا میں کتنے عظیم اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔ کہکشاں عروج، کراچی

• میری ادنا رائے یہ ہے کہ آپ نونہال میں بچوں کی کہانیاں کم کر کے ان کی جگہ معلوماتی مضامین شائع کریں۔ تاکہ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھی زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو سکیں، کیونکہ نونہال پاکستان کا واحد رسالہ ہے جسے بڑے بھی پڑھتے ہیں۔

سید مظہر علی جعفری، حیدر آباد

(بڑے بھی خوشی سے ہمدرد نونہال پڑھیں لیکن اسے نونہالوں ہی کے لیے رہنے دیں۔ بڑوں کے لیے تو دوسرے رسالے بھی ہیں)۔

• یوں تو کہانیاں سب ہی اچھی تھیں مگر 'اسکول کا چور' اور 'بن بلایا مہمان' دل کو بہت بھائیں۔

مستقیم آفریدی، کراچی

• جنوری ۱۹۷۷ء کا نونہال پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ٹائٹل اور کارٹون بھی پسند آیا۔ مسعود جاوید، بوریوالہ

• نونہال ایک چاند ہے جو جہالت، بداخلاقی اور بے ادبی کی سیاہ رات میں چمکتا ہے اور سیاہ رات کو دل کش اور پُر نور کر دیتا ہے۔ ایسا نونہال نکالنے پر حکیم محمد سعید صاحب اور مسعود احمد برکاتی کو نئے سال کی مبارک باد۔

اشفاق ظفر حیدری چکار (آزاد کشمیر)

• سرورق دیکھ کر دل مسرت سے گلاب کا پھول بن گیا۔ 'شرفو صاحب' کی کہانی، 'لہو کا رنگ ایک ہے'، 'اسکول کا چور'، 'مشرقِ وسطیٰ کے متعلق دل چسپ معلومات'..... رسالے کی جان تھیں۔ محمد ریاض نیو برٹی، گوجر خان

• "جنوری شخصیات کے آئینے میں" اور "جنوری واقعات کے آئینے میں" بہت اچھے تھے۔ محمد اکرام صدیقی، اسلام آباد

• بعض دوست یہ بھی کہتے ہیں کہ حلقۂ دوستی کا کالم بند کر دیا جائے۔ میری رائے ہے کہ بند نہ کیا جائے، کیونکہ بعض اچھے دوست ہوتے ہیں اور ان سے کوئی کام پڑ جاتا ہے۔

محمد جاوید اقبال، قلعہ سوبھا سنگھ

• نونہال ادیب نے بھی اس دفعہ جنوری کے بارے میں کافی معلومات فراہم کیں۔ اس کے علاوہ عصمت علی پٹیل کا مضمون 'مشرقِ وسطیٰ کے متعلق دل چسپ معلومات' بہت پسند آیا۔
عبدالحمید شہزاد، کراچی

• حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" پڑھا، وہ اپنا جواب آپ تھا۔

محمد بابر انصاری - میرپور خاص

• میں نونہال کو چار سال سے پڑھ رہا ہوں، کیوں کہ اس سے اچھا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

عبدالقادر جلیل، حیدرآباد

• حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" نصیحت سے کر جلوہ گر ہوا۔ مدیر صاحب آپ نونہال میں شرکت کے لیے کتنے پیسوں کے ٹکٹ منگواتے ہیں؟ محمد ذوالفقار رضا، ٹوبہ ٹیک سنگھ

(نونہال میں شرکت کے لیے ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں)

• سرورق دیکھ کر دل میں ہزاروں خوشیوں کے پھول کھلے۔ برکاتی صاحب، مجھے آپ سے شکایت ہے کہ میرا خط شائع نہیں ہوا۔ • سنبل خان - آب سر، تربت

(لیجیے آپ کی شکایت دور ہو گئی۔ اب یقیناً آپ خوش ہوں گے)

• جاگو جگاؤ ..... یہ ایک ایسی خدمت ہے جس کا صلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں دے سکتی۔

محمد اقبال اصغر - پیراں غائب، ملتان

• جدید رسالہ سابقہ رسالوں سے اچھا تھا، مگر اس میں جاوید شمیم کی "دوستی ایک عظیم رشتہ" نقل شدہ ہے۔

فرزانہ تبسم ملک

(نونہالوں سے درخواست ہے کہ کسی اور کی تحریر نقل کر کے اپنے نام سے نہ چھپوایا کریں خود لکھنے کی کوشش کریں)۔

• مجھے تمام رسالوں میں، ہمدرد نونہال سب سے زیادہ پسند ہے۔ کیوں کہ اس میں دلچسپ، معیاری اور مفید مضامین اور کہانیاں ہوتی ہیں۔ گوہر جمال زروبی (مردان)

• مضمون اور لطیفے — سب کچھ مزے دار اور سبق آموز تھا۔

گل زرین، چک لالہ

• یہ بات بالکل سہی (صحیح) ہے کہ نونہال سے اچھا کوئی رسالہ نہیں۔ خالد محمود، راولپنڈی

(لفظ "صحیح" کی املا درست کر لیجیے)

• ماہ نومبر کے رسالے میں زبیدہ ہاشمی، ساہیوال کا ایک مضمون "حضرت عمرؓ کا انصاف" چھپا ہے، اس میں حضرت عمرؓ کی جو گفت گو دی گئی ہے اسے جو چھوٹا بچہ پڑھے گا غلط سمجھے گا۔ منیر احمد، کراچی

(جی ہاں، آپ کا خیال صحیح ہے نونہال اس سے غلط مطلب نکال سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ کل جب تم امیر المومنین کے ہاں آؤ گی تو وہاں مجھے ہی پاؤ گی۔ زبیدہ ہاشمی نے جس طرح لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے)

• رسالے میں ہر ماہ بہتر سے بہتر تحریریں چھپ رہی ہیں۔ معلوماتِ عامہ کے سوالوں میں اضافہ مناسب ہوگا۔

محمد اقبال غوری، نواب شاہ

• میرا پرانا دوست نونہال جس سے میں ہر وقت دل بہلاتا ہوں، اس سے ہر عمر کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آفتاب حسین فخرالدین، کراچی

• جنوری کے نونہال کے ٹائٹل کی خوب صورتی کا جواب نہیں۔ "جاگو اور جگاؤ" اپنی مثال آپ ہے۔

محمد عالمگیر، میرپور خاص

• قیمت دوگنی چوگنی بھی کر دیں تو ہم خریدیں گے۔

کشور سلطانہ، کراچی - شہناز بانو، کراچی

• جنوری کا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ ساری

کہانیاں اچھی تھیں۔ رُدحی عنبریں، کراچی

● ایک گھر میں نونہال دیکھ کر اپنا بچپن یاد آ گیا۔ "جاگو اور جگاؤ" بہت اچھا تھا۔ فرح زیدی، کراچی

(شکریہ، لیکن حیرت ہے کہ آپ نے اس کا باقاعدہ مُطالعہ ترک کر دیا!)

● حکیم صاحب کے مضمون جاگو اور جگاؤ سے بے شمار افراد فیض حاصل کر رہے ہیں۔ محمد عثمان فریدی، کراچی

● جنوری کا نونہال ملا۔ پڑھ کر از حد مسرّت ہوئی۔

محمد ادریس عظیم غازی، کراچی

● بتا نہیں سکتا کہ نونہال کتنا پیارا رسالہ ہے، جاگو اور جگاؤ اور اقوالِ زرّیں بے حد پسند آئے۔ وسیم اختر، کراچی

● نونہال شائع ہوتا ہے تو ہمارے دل خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں جیسے ہماری عید ہو گئی ہو۔ رضیہ میمن، سکھر

● جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ عدنان قریشی، کراچی

● چمکتا، دمکتا نونہال ملا۔ "گاڑی بان"، "بن بلایا مہمان"، "ہو کا رنگ ایک" اور "اسکول چور" بے حد پسند آئے۔

محمد انیس، رحیم یار خاں

● نئے سال کا نیا تحفہ نونہال ملا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔

مسرّت قادری، سہیل قادری، طلعت عزیز، کراچی

● نونہال آپ کی محنت سے ایک قابلِ تعریف رسالہ بن گیا ہے۔ مظہر اقبال، محمد حسین، امیر احمد، عبدالستار، عبدالکریم

ریاض احمد شاہ، میانوالی۔

● نئے سال کا رسالہ پوری آب و تاب کے ساتھ آیا۔ سرورق اور جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔

محمد عارج خسرو، کراچی

● نئے سال کا نونہال بڑی دیر سے ملا، لیکن جب ملا تو مزا ہی آ گیا۔ اختر صفی، کندھ کوٹ

● سرورق دل کش اور پیارا تھا۔ کہانیاں "گاڑی بان"، "اسکول کا چوز" اور دوسری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

نازنین پروین ناز، کراچی

● نونہال دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ دل تعریف کرنے کو بے اختیار ہوا جا رہا ہے۔

نزہت سجاد، اسلام آباد

● جنوری کا رسالہ تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ تمام مضامین اچھے تھے۔ لطیفے خاص نہیں تھے۔

عابدہ خاتون، کراچی

● سرورق اچھا نہیں تھا۔ جاگو جگاؤ سبق آموز تھا، بڑا معلوماتی رسالہ ہے۔

حامد داؤد یونس جالندھری، مُلتان

● دو سال سے نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ "جاگو جگاؤ" طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے۔

شاہد علی، ایس ساجد، کراچی

● ڈاکیے کے ہاتھ سے رسالہ لیتے ہی پڑھنے بیٹھ گیا۔ نونہال ادیب کی کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔

اسما اسلم ناز، پھالیہ روڈ، منڈی بہاؤالدین

● "جاگو جگاؤ" ماہ جنوری کی سب سے انمول شے تھی۔ طائرانِ حسین کے بجائے عظیم رہنماؤں کی تصاویر شائع کریں۔ نعیم احمد شریف، کراچی

● نونہال ادیب کے تمام مضامین عمدہ تھے۔

سلیم ارشد، سکھر

● جو لطف و خوب صورتی آپ کے رسالے میں ہے

وہ کسی میں نظر نہیں آتی۔ وفورِ مسرت سے دل جھوم اٹھا

محمد ادریس، اسلام آباد

• میری دعا ہے کہ نونہال دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ عبدالوحید شہرابی بلوچ، گوادر

• اس دفعہ آپ نے نونہالوں کے خطوط شائع نہیں کیے۔ کیا یہ سلسلہ بند کر رہے ہیں؟ اللہ ایسا نہ کیجیے ورنہ پھر ہم لوگ اپنی رائے کس طرح دیں گے؟

شہناز بانو، سعود آباد، کراچی

• مجھے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ نے مارچ سے ہمدرد نونہال کی قیمت میں صرف ۲۵ پیسے کا اضافہ کیا ہے اور یہ درست بھی ہے۔ کیوں کہ اگر اس گراں دور میں اتنا اچھا رسالہ اتنی کم قیمت میں ملنا بہت مشکل ہے۔

غلام قادر عباس، کراچی

• اگر نئی قیمت کو دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے کہ یہ رسالہ تمام ماہ نامہ رسالوں میں کم قیمت اور اعلا درجے کا ہے۔

انور محمود انصاری، کراچی

• نونہال پاکستان میں نکلنے والے تمام رسالوں کا شہنشاہ ہے۔ نغمہ بانو، کراچی

• میرے خیال میں معلومات عامہ کی جگہ کوئی انعامی مقابلہ شروع کردیں تو اچھا ہے۔

محمد اکرام اللہ خاں، بھکر

(نونہالوں کی اکثریت جنھیں پسند کرتی ہے وہی مضمون دیے جاتے ہیں)۔

نونہالوں کے نام جن کے خط جگہ کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکے

کراچی: نور الاسلام صدیقی۔ ظہیر الدین بابر عرفان۔ طارق علی صدیقی۔ اعجاز الحق۔ سید علی الدین احمد۔ سید محمود حسین رضوی۔ راجہ یاسین راہی۔ سید منظر عباس جعفری۔ عبدالسمیع ہاشمی۔ سید علی ممتاز جعفری۔ سید وقار رضوی۔ سید جاوید انور رضوی۔ سید اعجاز حیدر رضوی۔ میر عبدالقادر۔ میر طاہر نیر۔ معین فخر مغین۔ منور حسین آفتاب۔ کشور سلطانہ۔ ابراہیم مصطفی۔ محمد ہاشم۔ امان اللہ بجوانی۔ لیاقت علی۔ شیخ محمد معین۔ علی رضا۔ افتخار احمد۔ محمد ظفر۔ شمیم احمد صدیقی۔ طیبہ حسینی۔ محمد طارق۔ نفیسہ فخر الدین۔ محمد ادریس خاں شاداب۔ عابدہ سلطانہ لکی۔ شفقت حسین خادم۔ اظفر قیوم خاں غوری۔ شاہد اقبال۔ اقبال حامد کاظمی۔ سائرہ غزل۔ سید ذاکر حسین۔ شہلا حمید۔ ابوالجلال۔ نجمہ القاری۔ علی ارشد ہاشمی۔ گل بانو۔ محمد عثمان بٹو۔ جمیل عون۔ حسام باسط۔ محمد مناف حبیب۔ احمد شاہد۔ افتخار غضنفر۔ افتخار احمد۔

دوسرے مقامات: شیر افضل خاں عباسی، کھوڑ۔ طلعت حیات علوی، پتوکی۔ ملک فرخ انجم اعوان، کھوڑ۔ سعیدہ اختر، گجرانوالہ۔ ناہید اختر، مردان۔ خالد پرویز شمس، بوریوالہ۔ سید الطاف حیدر، سیالکوٹ۔ عبدالقیوم شاد، خیرپور میرس۔ سیف اللہ پیرپیائی۔ محمد صادق، ٹنڈو اللہ یار۔ فریدہ سلطانہ، خیرپور میرس۔ جاوید علی خاں چراغ، حیدرآباد۔ شاہد الیاس، حیدرآباد۔ زیبا عزیز، حیدرآباد۔ ممتاز احمد، شکارپور۔ اطہر حسین، ستیانہ بنگلہ۔ ذاکر حسین ندیم، محمد پور شناراں۔

نونہال ادیب

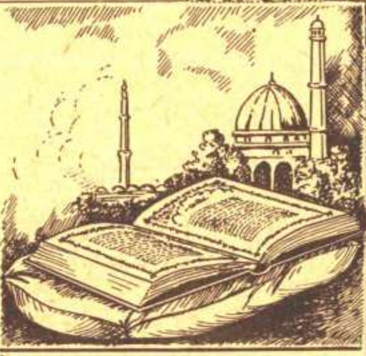

حمد

طارق رحیم شاعر، کراچی

جس نے بنائے ارض و سما وہ عظیم ہے
بے شک خدا ہے سب سے بڑا وہ عظیم ہے
ہے عاصیوں کو جس کے کرم کی بڑی اُمید
رحمٰن اس کا نام ہے اور وہ رحیم ہے
انسان کو جہاں کی حکومت اُسی نے دی
ہاں پاک ذاتِ اعلا ہے اور وہ فہیم ہے
ہم چاند تارے دیکھ کے سوچا کیے ہیں یہ
بخشا ہے جس نے حسن انھیں وہ عظیم ہے
شاعر جو ایک بات کہے تو جگہ کہاں ؟
اُس کی جو ایک بات کہی وہ ضخیم ہے

نعت

نوشابہ فردوس، کراچی

شہِ دیں کی چشمِ کرم اللہ اللہ
گدا بن گئے محترم اللہ اللہ
زمیں، آسماں، چاند، سورج، ستارے
فدا تم پہ لوح و قلم اللہ اللہ
مرے سر پہ ہے سبز گنبد کا سایہ
مرا سر ہے اس در پہ خم اللہ اللہ
زمیں پہ ہیں روشن ستاروں سے بڑھ کر
محمدؐ کے نقشِ قدم اللہ اللہ
مدینے کی گلیوں پہ قربان جاؤں
یہ جاتی ہیں سوئے حرم اللہ اللہ

حضورِ اکرمؐ

ایم اے بابو ناشاد، تشکار پور

ربیع الاول کے مہینے میں ہمارے نبیؐ دُنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ کی پیدائش سے قبل تمام دنیا جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اور خاص کر صحرائے عرب کی حالت انتہائی خراب تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب میں بت پرستی کا رواج عام تھا۔ ہر قبیلے کا بُت الگ ہوتا تھا۔ اس طرح خانہ کعبہ میں تقریباً ۳۶۰ بُت رکھے ہوتے تھے اور وہ پتھر کے ان بے جان بتوں سے منتیں اور مُرادیں مانگتے تھے۔ گھوڑ دوڑ اور جُوے کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ حتّٰی کہ اپنی عورتوں کو بھی جُوے پر لگا دیتے اور شراب عام تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ ایسے بُرے وقتوں میں اپنے نبی اور پیغمبر دُنیا میں بھیجے تاکہ وہ دنیا سے برائیوں کو دور کریں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا میں بھیجا، تاکہ وہ بُرائیوں کو ختم کریں اور نیکیوں کو پھیلائیں۔

ہمارے رسول عرب کے ایک معزز گھرانے قریش میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا۔ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ والدہ صاحبہ بی بی آمنہ کا انتقال ہوا تو آپؐ کی عمر صرف چھ سال تھی۔ والدین کے انتقال کے بعد آپؐ کے دادا عبدالمُطلِب نے آپ کی پرورش کی مگر جب وہ بھی رحلت فرما گئے تو آپؐ کی دیکھ بھال آپؐ کے چچا ابوطالب نے کی۔

آپؐ بچپن ہی سے بہت نیک تھے۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اسی وجہ سے سارے عرب آپؐ کو امین کہتے تھے۔ لوگوں کو آپ پر اتنا اعتبار تھا کہ وہ اپنی امانتیں رکھا جاتے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو عرب کے دستور کے مطابق تجارت شروع کی۔ آپؐ کی سچائی اور دیانت داری کی وجہ سے آپ کا نام عزت سے لیا جانے لگا۔ یہ بات جب حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنا کاربار آں حضرت کے سُپرد کر دیا اور نکاح کی درخواست کی جس کو آپؐ نے قبول فرمالیا۔

آپؐ کو چالیس سال کی عمر میں نبوّت ملی۔ جس غار میں آپؐ عبادت کیا کرتے تھے وہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ آپؐ نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ ایک ہے، میں اس کا رسولؐ ہوں۔ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت ناجائز ہے۔ سب انسان آپس میں برابر ہیں۔ جُوا، شراب اور سُود حرام ہے۔ یہ تمام چیزیں چوں کہ عربوں کے پُرانے مذہب اور رسم و رواج کے خلاف تھیں اس لیے آپ کو

سخت تکلیفیں دی گئیں، یہاں تک کہ آپؐ اپنے ہی خون میں نہا گئے۔ مکّہ والوں نے ظلم کی انتہا کر دی۔ آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کا بائیکاٹ کر کے ایک گھاٹی میں محصور کر دیا گیا مگر آپؐ کے استقلال میں ذرّہ برابر لرزش نہیں ہوئی۔ کفّارِ مکّہ نے آپؐ کو اتنا تنگ کیا کہ مجبوراً آپؐ کو ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا۔ وہاں پر بھی آپؐ نے تبلیغ اسلام جاری رکھی اس پر کفّارِ مکّہ نے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسلام اور کفر کی پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تین سو تیرہ (۳۱۳) نِہتّے اور بے سرو سامان مسلمانوں پر ایک ہزار سے زاید مُسلّح کفّار نے حملہ کر دیا تھا، لیکن خدا کی تائید اور ایمان کے جذبے نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی — اس کے بعد جنگوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا یہاں تک کہ مسلمانوں نے مکّہ فتح کر لیا۔ مکّہ فتح کر لینے کے بعد کسی مسلمان نے کسی کو لُوٹا اور نہ قتل کیا۔ کسی پر ظلم نہیں ہوا، حالاں کہ یہی وہ اہلِ مکّہ تھے جنھوں نے مسلمانوں پر زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ اور مسلمانوں کو ختم کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے باوجود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و سلم نے تمام اہلِ مکّہ کی آپس کی دُشمنیاں ختم کر دیں پُرانی عداوتیں بھُلا دی گئیں اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

نعت

محمد شاہد نعیم، دیناج پوری۔ کراچی

اے کاش درِ احمدؐ کا ہمیں اک روز نظارہ ہو جائے
اے دل کسی صورت تو پورا ارمان ہمارا ہو جائے
یا سرورِ دیں یا شاہِ اُمم، کب تک یہ رہے گی دُوریِ غم
میں اُڑ کے مدینہ آجاؤں، جو ایک اشارہ ہو جائے
اے ختمِ رُسل، محبوبِ خُدا، اے عرشِ معلّا کے دولہا
اے شافعِ محشر رب کا وہ، جو شخص تمھارا ہو جائے
اُمّت میں تمھاری ہیں آقا، روشن ہو مقدّر یا مولا
دُنیا بھی ہمارے ہاتھ رہے، عقبیٰ بھی ہمارا ہو جائے
اے ساقیِ کوثر، ساقیِ دیں، بھر دیجیے ساغر دل کے مکیں
ہو دُور ہماری تشنہ لبی اور خُلد اِجارہ ہو جائے
جس دل میں نہیں الفت اُن کی، وہ دل بھی کوئی دل ہو شاہد
جس دل میں ہو پیدا عشقِ نبیؐ وہ عرش کا تارا ہو جائے

رحمۃ للعالمین

دانش وَرانِ عالم کی نظر میں

مُرتّبہ: غزالہ نورین، کراچی

جارج برنارڈ شا:

"میں نے ہمیشہ ہی پیغمبرِ اسلام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو عزت، عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ دینِ اسلام میں ایک بہت بڑی روحانی قوّت ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو

دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ہر دور اور ہر زمانے کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی یہ پیش گوئی کر چکا ہوں کہ سو سال بعد اگر یورپ کا کوئی مذہب ہو گا تو وہ صرف اسلام ہو گا۔" (آؤٹ لائن آف ہسٹری)

کرم چند گاندھی:

"آج کروڑوں انسانوں کے دلوں پر جس عظیم اور جلیل القدر پیغمبر کی حکمرانی ہے، میں ان کی سیرتِ پاک کی بابت زیادہ سے زیادہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دل کو یقین ہو چکا ہے کہ اسلام کی فتوحات کا راز ہرگز تلوار میں نہیں تھا۔ یہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پاکیزگی، سادگی اور حسنِ اخلاق کی تلوار تھی جس نے ساری دُنیا کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔"

(اخبار "ینگ انڈیا")

مسز سروجنی نائیڈو

"عدل و انصاف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، کیوں کہ جب میں قرآن مجید پڑھتی ہوں تو مجھے زندگی کے انقلاب آموز اصول نظر آتے ہیں۔ یہ اصول فرضی اور خیالی نہیں ہیں، بلکہ حقیقی اور عملی ہیں۔ ہاں! بے شک یہ پاکیزہ اصول ساری دُنیا کے لیے زندگی کی فلاح اور کامرانی کے رہنما اصول ہیں۔"

(آئیڈلز آف پاکستان)

باسورتھ اِسمتھ:

"میں اس بات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ حضرت محمدؐ کی ساری سیرت اور زندگی میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کسی مرحلے پر ایسا نظر نہیں آتا کہ پیغمبر اسلام نے حالات اور واقعات کے بدل جانے سے اپنے خصوصی کردار کو تبدیل کر لیا ہو۔ صحرا کے ایک گلّہ بان اور چرواہے کی حیثیت سے یا شام کے ملک میں تاجر کی حیثیت سے، غارِ حرا کی تنہائیوں میں ایک مصلح اور معلّمِ اخلاق کی حیثیت سے، مدینے کا مہاجر ہو یا مکّے کا فاتحِ اعظم۔ ایران، یونان اور رُوم کے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی صورت میں، جس حیثیت سے بھی آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے آپ کو کسی قسم کا اختلافِ قلب و نظر دکھائی نہیں دے گا۔

نعت

سیّد منصور علی، خیرپور میرس

ہر ٹوٹے ہوئے دل کا سہارا ہیں محمدؐ
کونین کے ماتھے کا ستارا ہے محمدؐ
تم شافعِ عالم ہو، تمھی سرورِ عالم
محبوبِ خدا نام تمھارا ہے محمدؐ
ہم اپنی خطاؤں پہ پشیمان ہیں دل سے
محشر میں تمھارا ہی سہارا ہے محمدؐ
منصور پہنچ جائے جو اک بار مدینے
پھر تو اسے ہر رنج گوارا ہے محمدؐ

کھانے کے آداب

مدثر حسین قاسمی، چنیوٹ

حضور اکرم کا ارشاد ہے، "مل کر کھاؤ، کیوں کہ جماعت میں برکت ہے"۔

آپ اُسی کھانے کو پسند فرماتے جسے کھانے والے زیادہ ہوں۔ آپ گرم کھانا نہیں کھاتے اور فرماتے کہ اس میں برکت نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔ آپ چار انگلیوں سے کھاتے، دو اُنگلیوں سے نہ کھاتے۔ آپ فرماتے تھے کہ دو انگلیوں سے شیطان کھاتا ہے۔ آپ کا کھانا اکثر کھجور اور پانی ہوتا۔ آپ جَو کی روٹی کھاتے تھے۔ گوشت کو آپ نے سب سے زیادہ پسند فرمایا، سبزیوں میں آپ کدّو کو بہت پسند کرتے۔ اس کے علاوہ پھلوں میں خربوزہ، انگور اور کھجور کو بھی بہت پسند فرمایا۔ کھانے کے بعد انگلیوں کو خوب چاٹتے اور فرماتے کہ نہ جانے کس کھانے میں زیادہ برکت ہے۔ آپ پانی ٹھہر ٹھہر کر پیا کرتے۔ بڑے بڑے گھونٹ نہ بھرتے اور نہ برتن میں سانس لیتے۔ کھانے کے بعد ہاتھوں کو خوب دھوتے اور بچے ہوئے پانی سے منھ پونچھ لیتے۔

اکوپنکچر۔ قدیم چینی طریقۂ علاج

عطیہ سیدہ گیلانی۔ پشاور

آج سے تقریباً ۵ ہزار سال پہلے چین میں یہ طریقۂ علاج دریافت کیا گیا۔ اس میں مختلف دھاتوں سے تیار کردہ سوئیاں استعمال ہوتی ہیں۔ جسم کے ۷۸۰ نقاط پر انھیں چبھو کر جسم کے کسی بھی حصّے کو سُن کیا جا سکتا ہے۔ اکوپنکچر کے ذریعے علاج کا قدیم ترین نسخہ سب سے پہلے ۱۵۲۵ء میں ملا۔ اس کا مُصنّف سرما چھین ہے۔ یہ طریقہ علاج آہستہ آہستہ ترقّی کے منازل طے کرتا ہوا موجودہ شکل میں دنیا تک پہنچا ہے۔ پہلے جسم کے کسی حصّے کو نوک دار پتھر سے دبا کر بیماری کا علاج کیا جاتا تھا پھر بانس اور ہڈی کی سوئیاں استعمال ہونے لگیں۔ اس کے بعد تانبے، لوہے اور سونے کی سوئیاں استعمال ہونے لگیں، آج کل اسٹین لس اسٹیل کی سوئیاں استعمال ہوتی ہیں۔

چین میں عوامی انقلاب کے بعد اس طریقۂ علاج کو ترقّی دینے کے لیے مختلف ادارے قائم ہوئے اور ریسرچ کر کے اس کو مزید موثر بنا دیا گیا اس طریقہ علاج کے ماہر جسم میں بہت باریک سوئیاں چند ملی میٹر دور چبھو کر تھوڑی دیر بعد نکال لیتے ہیں اور اس جگہ ہونے والی تبدیلیوں سے بیماری کا پتا چلاتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ دل، پھیپھڑے، گردے وغیرہ کا تعلق بیرونی نقاط (جو جلد پر لگائے گئے ہیں) سے ہے۔ اکوپنکچر کو سُن اور بے حس کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں شنگھائی کے میڈیکل کالج میں دل کے آپریشن کے لیے اس طریقے کو استعمال کیا گیا۔ اس میں گردن کلائیوں اور کانوں کے مخصوص مقامات پر ۸ سوئیاں

چبھو کر ان کے ذریعے برقی رَو جسم میں داخل کی گئی۔ اس سے اعصابی مرکز پر اثر ہوا اور مطلوبہ حصّہ سُن ہونے لگا۔ اس طریقے کی ایک خوبی یہ ہے کہ مریض ہوش میں رہتا ہے، لیکن وہ حصّہ جس کا آپریشن ہوتا ہے بالکل سو جاتا ہے۔ مریض کے چہرے کے سامنے پردہ لگایا جاتا ہے تاکہ وہ خون اور کاٹ چھانٹ سے گھبرا نہ جائے۔ اس آپریشن میں مریض کا سینہ کھول کر خون کی نالیوں کا تعلق دورانِ خون کی مشین سے ملا کر دل کے اندرونی دوالو حصے کا نقص دور کر دیا گیا۔ اس آپریشن کے دوران مریضہ جس جگہ درد کی شکایت کرتی وہاں لگی ہوئی سوئی کی برقی رَو کی طاقت بڑھا دی جاتی تھی تاکہ وہ اعضا مکمّل طور پر سُن رہیں۔ یہ چینی طریقۂ علاج آج کل بہت مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔

پھُولوں کی شہزادی

شکیل احمد رضی، کراچی

باغ میں اُڑتی آئی تتلی
میرے دل کو بھائی تتلی

لال، گلابی، نیلی، پیلی
نیلی، پیلی، رنگ رنگیلی
سُندر، سُندر، نیاری نیاری
پھُولوں کی ہے یہ شہزادی

باغ میں اُڑتی آئی تتلی
میرے دل کو بھائی تتلی

ڈالی ڈالی پتّہ پتّہ
گلشن گلشن گھوم رہی ہے
دیکھو کتنے پیار سے بچّو
پھولوں کا منھ چُوم رہی ہے

باغ میں اُڑتی آئی تتلی
میرے دل کو بھائی تتلی

دوڑو اس کے پیچھے بھاگو
جب جائیں تم اُس کو پکڑو
پَر اس کا، پَر ٹوٹ نہ جائے
رنگت اس کی چھوٹ نہ جائے

باغ میں اُڑتی آئی تتلی
میرے دل کو بھائی تتلی

لاہور — پاکستان کا دِل

حفیظ الحق اعوان، سرگودھا

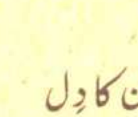

لاہور کو پاکستان کا دل کہتے ہیں۔ تاریخی، سماجی اور ثقافتی لحاظ سے لاہور کا اپنا ایک مقام ہے۔ یہ شہر قدیم اور جدید کا سنگم ہے۔ یہاں آثارِ قدیمہ بھی ملتے ہیں اور جدید فنِ تعمیر اور اندازِ زندگی کے نمونے بھی۔ یہاں کے بازاروں میں ہر وقت بھیڑ بھاڑ لگی رہتی ہے۔

لاہور میں سیاحوں کی دل چسپی کے بے شمار مقامات ہیں۔ راوی کے دائیں کنارے پر مغل شہنشاہ جہانگیر کا مقبرہ چاروں طرف سبزہ زاروں اور باغات سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں ہر موسم میں لاہور کے زندہ دل سیر و تفریح کے لیے آتے

ہیں۔ یہ مقبرہ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے بنوایا تھا مقبرہ جہانگیر کے قریب ہی جہانگیر کی ملکہ نور جہاں کی آخری آرام گاہ ہے۔ نور جہاں نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مقبرہ بنوا لیا تھا۔ مقبرے کے قریب کھجور کے جھنڈ ہی جھنڈ ہیں۔

دریائے راوی کے بائیں کنارے پر بھی مغلیہ تاریخ کے زندہ نشانات ملتے ہیں۔ یہاں پر مغلیہ خاندان کے درویش بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر رح کی بنوائی ہوئی شاہی مسجد واقع ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد سمجھی جاتی ہے۔ اس کا صحن اتنا بڑا ہے کہ اس میں ایک لاکھ آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے چار مینار بہت اونچے ہیں ان میناروں کی چوٹی سے لاہور شہر کا بڑا ہی دل کش منظر نظر آتا ہے۔ شاہی مسجد کے باہر دائیں طرف حکیم الاُمّت علامہ اقبال کی اَبدی آرام گاہ ہے۔ شاہی مسجد کے سامنے مُغلوں کا شاہی قلعہ ہے۔ اس تاریخی قلعے کی بنیاد مُغلِ اعظم شہنشاہ اکبر نے رکھی تھی۔ اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہ جہاں نے بھی اس قلعے کی طرف توجہ دی۔ مُغلوں کے بعد یہ قلعہ سِکھوں کے قبضے میں رہا اس دور میں اس کی عمارات کو بڑا نقصان پہنچا۔ قلعے میں سب سے خوب صورت عمارت شیش محل ہے۔ شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی موتی مسجد بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ سفید سنگِ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ شاہی مسجد اور قلعے کے قریب ہی اقبال پارک میں مینارِ پاکستان واقع ہے۔ یہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی یاد دلاتا ہے۔

لاہور کو مورخوں نے باغات کا شہر کہا ہے۔ شہر کے مشرقی حصے میں شاہ جہاں کا بنوایا ہوا شالامار باغ ہے۔ تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ باغ آج بھی اتنا ہی باوقار ہے جتنا پہلے روز ہوگا۔

موسم بہار کی آمد پر یہاں لاہور کا سب سے اہم ثقافتی تہوار یعنی میلہ چراغاں منایا جاتا ہے۔ لاہور کی معروف ترین سڑک "مال روڈ" کے مغربی کونے کے قریب مشہور توپ زمزمہ رکھی ہے۔ اس کے پاس ہی عجائب گھر ہے۔ جہاں بڑی نادر اشیا رکھی ہیں، اندرون شہر میں وزیر خاں کی مسجد ہے۔ مغلیہ دور کے ایک وزیر علم الدین انصاری نے یہ مسجد بنوائی۔ لاہور کی مال روڈ جس کا نام شاہراہ قائدِ اعظم ہے ہر سیّاح کی توجہ کا مرکز ہے۔ چیرنگ کراس اب لاہور کا سب سے پُر شکوہ چوک ہے۔ اس چوک کی ایک طرف واپڈا ہاؤس کی عالی شان عمارت ہے دوسری طرف الفلاح بلڈنگ اور ان دونوں کے درمیان اسمبلی ہال کی باوقار عمارت واقع ہے۔ واپڈا ہاؤس کے سامنے چڑیا گھر واقع ہے جہاں ہر قسم کے چرند پرند موجود ہیں۔ لاہور کا انارکلی بازار بہت مشہور ہے۔

لاہور میں سیاسی ہنگامے بھی اکثر برپا رہتے ہیں۔ یہ شہر ہر قسم کی اچھی بُری تحریکوں کا مرکز ہے۔ لاہور

کی آب و ہوا میں بھی ایک قسم کی رنگا رنگی ہے۔ یہاں کچھ مہینے ایسے آتے ہیں جب جنّت کا موسم ہوتا ہے اور کچھ ایسے جو جہنّم کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ غرض یہاں کی گرمی اور سردی دونوں جاں بخش ہیں۔ لاہور ایک ایسا شہر ہے جہاں پوری پاکستانی قوم کے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔

دانا کسان

فہیم اختر، کراچی

ایک دفعہ قطب الدین ایبک شکار کھیلنے گیا۔ جب بھاگ دوڑ کے باوجود شکار نہ ملا تو واپس چلنے کی ٹھانی۔ واپسی میں اسے ایک کھیت میں ایک کسان ہل چلاتا نظر آیا۔ بادشاہ نے گھوڑا روک لیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا، تم دن میں کتنا کما لیتے ہو؟"

کسان نے جواب دیا، "حضور، میں چار رُپے روزانہ کما لیتا ہوں۔"

"تم ان چار رُپوں کو کس طرح خرچ کرتے ہو؟" بادشاہ نے دوبارہ سوال کیا۔

کسان نے جواب دیا، "حضور، پہلا رُپیہ میں خرچ کر لیتا ہوں، دوسرا اُدھار دیتا ہوں، میرا تیسرا روپیہ قرض اُتارنے میں صَرف ہوتا ہے، چوتھا رُپیہ میں کنوئیں میں پھینک دیتا ہوں۔"

بادشاہ اس کی باتیں سُن کر ذرا حیران ہوا اور بولا، "میں تمھاری ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھا۔"

کسان نے کہا، "پہلا رُپیہ مجھ پر اور میری بیوی پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا رُپیہ میں اپنے بچّوں پر صرف کرتا ہوں تاکہ جب میں بوڑھا ہو کر کام کے قابل نہ رہ سکوں تو یہ مجھے کھلا سکیں، گویا یہ دوسرا رپیہ بچوں کو اُدھار دیتا ہوں۔ تیسرے رُپے سے اپنے بوڑھے والدین کو کھلاتا ہوں، انھوں نے بچپن میں مجھے پالا اور مجھ پر رُپیہ خرچ کیا۔ اب میں ان کا قرض ادا کرتا ہوں۔ چوتھا رُپیہ میں خیرات میں دیتا ہوں اور دنیا میں اس کا انعام نہیں چاہتا۔"

بادشاہ اس کے جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ، "وعدہ کرو کہ یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گے جب تک تم سو دفعہ میرا چہرہ نہ دیکھ لو۔" کسان نے وعدہ کر لیا۔ اگلے دن بادشاہ نے وزیروں سے کہا، "ہمارے شہر میں ایک کسان رہتا ہے جو ایک رُپیہ کھاتا ہے، دوسرا اُدھار دیتا ہے، تیسرے سے قرض اُتارتا ہے اور چوتھا کنوئیں میں پھینک دیتا ہے۔ بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے؟"

وزیر بادشاہ کی بات کا مطلب نہ بتا سکے۔ ایک وزیر جانتا تھا کہ بادشاہ فلاں دن فلاں کسان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ فوراً اس کسان کے پاس پہنچا اور اس سے ان باتوں کا مطلب پوچھا۔ کسان نے کہا کہ، "بادشاہ سے میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ جب تک سو دفعہ اس کا چہرہ نہیں دیکھتا۔ اس وقت تک ان باتوں کا

مطلب نہیں بتاؤں گا۔" اس پر وزیر نے اس کو سو اشرفیاں دیں تو کسان نے اس کا مطلب بتا دیا۔

اگلے دن دربار میں وزیر نے بادشاہ کی بات کا مطلب بتا دیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ کسان نے مطلب بتا دیا ہے۔ اسی وقت کسان کو بلوا کر پوچھا، "تم نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ اور اس کا مطلب کیوں بتایا؟"

کسان نے کہا کہ "میں نے جواب دینے سے پہلے سو دفعہ آپ کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔" اس نے وہ اشرفیاں جن پر بادشاہ کی شکل بنی ہوئی تھی بادشاہ کو دکھائیں۔ بادشاہ اس کی عقل مندی سے بہت خوش ہوا اور اُسے سو اشرفیاں اور انعام دیں۔

توتا

سید مظہر عباس رضوی، اسلام آباد

رنگوں والا یہ ہے توتا
سب کا دیکھا بھالا پرندہ
امرودوں کا موسم آئے
توتا ڈالی ڈالی گائے
ٹیں ٹیں، ٹیں ٹیں کرنا اس کا
ڈالی ڈالی پھرنا اس کا
پھر سے فوراً ہی اُڑ جانا
ٹیں ٹیں کی پھر ضرب لگانا

○

گلگت

شکیل احمد رضی، کراچی

گلگت کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ پندرہ ہزار مربع میل کے اس پاکستانی علاقے میں قدرت نے ذرّے ذرّے میں حُسن کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا ہے۔ برف پوش چوٹیوں، بل کھاتی، گنگناتی ندیوں، صاف شفاف پانی کی جھیلوں، سرسبز چراگاہوں اور پھل دار درختوں کے باغوں کے حسن کا اجالا چمک چمک کر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو چکا چوند کرتا ہے۔

یہ وہ وادی ہے جہاں چار ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں یعنی پاکستان، رُوس، چین اور افغانستان۔ اس کے چاروں طرف دُنیا کے سب سے بلند پہاڑی سلسلے ہیں۔ آریاؤں کا پہلا وطن یہی ہے۔ اسکندرِ اعظم اور اس کے ساتھی بھی یہاں سے گزرے۔ چینی سیّاح بھی اس وادی سے گزر کر برِّصغیر کے تہذیبی مراکز تک پہنچے۔ اس وادی میں اسلام وسطی ایشیا سے آیا۔

پچھلی صدی کے اختتام تک گلگت تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ اس علاقے کے لوگوں کو انتہائی دشوار گزار پہاڑی راستوں، تیز رو دریا اور گھنے جنگلوں کو عبور کرنے میں کئی کئی روز لگ جاتے تھے، لیکن اب دنیا کے کسی بھی حصّے سے ہوائی جہاز کے ذریعے گلگت پہنچا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے دارالحکومت سے گلگت تک ایک گھنٹے کا ہوائی سفر ہے۔ دورانِ پرواز دریائے

سندھ کی بل کھاتی گزرگاہ پر سے اُڑتے ہوئے نانگا پربت ہرموشی اور کاموشی کی چوٹیاں یوں نظر آتی ہیں جیسے ہاتھ بھر کا ہی تو فاصلہ ہو۔

گلگت میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شنا اور بروشسکی دو بڑی زبانیں ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد گلگت بالکل بدل گیا ہے۔ اب یہ شہر پھیل رہا ہے اور یہاں زندگی کی تمام سہولتیں مہیا ہیں، گلگت دو پہاڑوں کے درمیان سطح سمندر سے ۴۷۷۵ فیٹ کی کی بلندی پر واقع ہے۔

یہ شہر تجارتی مرکز ہے، یہاں بڑی بڑی دکانیں بینک اور انتظامیہ کے دفاتر ہیں۔ تاہم یہ شہر اپنی قدیم روایات پر قایم ہے۔ گلگت سے چین کی سرحد تک جو سڑک جاتی ہے اسے "شاہ راہ ریشم" کہتے ہیں۔ اس سڑک کے ذریعے پاکستان اور چین کے تجارتی قافلے آتے جاتے رہتے ہیں۔

پولو گلگت کا روایتی کھیل ہے، چناں چہ ایک مشہور پولو گراونڈ ہے جسے آغا خان اسٹیڈیم کہتے ہیں۔ دُنیا بھر کے سیاحوں کو پولو کا کھیل دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ کھیل گھوڑوں پر سوار ہو کر کھیلا جاتا ہے۔ گلگت میں ہر سال پولو کے ٹورنامنٹ منعقد ہوتے ہیں جنھیں دیکھنے کے لیے سینکڑوں مقامی اور بیرونی سیاح یہاں آتے ہیں۔ پاکستان کا محکمۂ سیاحت اس کھیل کو مقبول بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

پپّو میرا بھائی

مہرالنساء مہر، کراچی

پپّو میرا بھائی ہے
لڑنے کا شیدائی ہے

کھانے پر یہ بھاگ کے آئے
ورنہ کسی کو منھ نہ لگائے
پیسے دو تو بھاگ کے جائے
جائے اور ٹافی لے آئے

پپّو میرا بھائی ہے
پڑھنے کا شیدائی ہے

موڈ میں ہو تو پڑھنے بیٹھے
'الف' سے آم ہوں میٹھے میٹھے
بھر آئے پھر مُنھ میں پانی
ڈیڈی سے کرے پھنّے خانی

یہ ہے ہمارا بھائی پیارا
سب کی ہے آنکھوں کا تارا

سنڈے کو ڈیڈی کو پکڑے
جا کے کلفٹن دیکھے میلے
کوئی رسالہ جب گھر آئے
پڑھنے کو وہ پہلے جائے

پڑھنا تو کیا خاک آئے گا
جی تصویر سے بہلائے گا

اُس کی زباں ہے اتنی میٹھی

جیسے ہو شربت میں چینی
باتیں پیاری پیاری سناتا
سب کے دل کو وہ ہے لُبھاتا

بھائی جان سے ڈرتا ہے وہ
پیار آپی سے کرتا ہے وہ

باجی کو اکثر یہ ستائے
یہ بے بی کے دل کو بھائے
ڈانٹ جو ماں کی کھاتا ہے وہ
ڈیڈی کا بن جاتا ہے وہ

اتنا پڑھے یہ اتنا لکھے
پاس کرے یہ بی۔اے۔ایم۔اے
پیارا پیارا بھائی ہمارا
مہر کی آنکھوں کا ہے تارا

مچھّر اور بلدیہ کراچی

ندیم انور جمیل۔ کراچی

اگر مچھروں کے فوائد اور نقصانات پر بحث کی جائے تو یہ فیصلہ کرنا نہایت آسان ہوگا کہ اِن کے فوائد تو بے شمار ہیں مگر نقصانات نہ ہونے کے برابر اور بقول مچھروں کے، وہ ہمیں (انسانوں کو) اِن فوائد سے نواز کر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں، بلکہ یہ تو ہمارا (مچھروں کا) اخلاقی فرض ہے۔ اگرچہ دُنیا بھر میں انسان کے ہاتھوں (ناحق) مچھروں کی نسل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے تاہم مچھر حضرتِ انسان کی ان حرکات کا بُرا نہیں مانتے، بلکہ اسے انسان کی فطرت گردانتے ہیں۔

جس طرح پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح سب انسان بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے مچھروں کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کو محسوس کیا ہے اُن میں سرِ فہرست بلدیہ کراچی کا نام آتا ہے۔

"بلدیہ کراچی"

اگرچہ کہ یہ نام کافی خوب صورت ہے، مگر اتنا بھی نہیں جتنا کہ بلدیہ کا مرکزی دفتر۔ یوں تو بلدیہ کراچی کے ذمّے اور بھی بہت سے کام ہیں، مگر جس کام پر بلدیہ کراچی سب سے زیادہ توجہ دے رہی ہے وہ ہے مچھروں کی افزائش اور پرورش کا کام۔ ماضی میں مچھروں کی نسل کُشی کی جو غلطیاں (سہواً نہیں) ہوگئیں تھیں بلدیہ کراچی اب ان تمام غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلے میں پلان پر کام پابندی کے ساتھ عمل درآمد ہو رہا ہے۔

مچھروں کے ایک ترجمان نے بلدیہ کراچی کی مچھر دوستی کی تعریف کی ہے اور اسے دوسرے شہروں کی میونسپلٹیوں کے لیے قابلِ تقلید رویہ قرار دیا ہے۔

بلدیہ کراچی کی یہ بڑی اچھی عادت ہے کہ وہ جس کام کی تکمیل کا ارادہ کرلے اسے پائے تکمیل تک ضرور پہنچاتی ہے۔ مثلاً اگر بلدیہ کراچی نے مچھروں کی افزائش

اور پرورش کی ذمے داری قبول کی ہے تو انھیں بہ طریقِ احسن پورا بھی کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں بارش سے پہلے گلیوں کی کھدائی کا کام بھی شامل ہے۔ جو بہ ظاہر "ڈرینج سسٹم" کے لیے ہوتی ہے مگر بلدیہ کراچی کے افسران اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بھی دراصل مچھروں کی افزائش اور پرورش کا ایک طریقہ ہے۔ بلدیہ کراچی نہیں چاہتی کہ شہر کی یہ نادر الوجود شے جس کی نسل دُنیا کے صفحے سے تیزی کے ساتھ ختم کی جا رہی ہے، اپنے شہر کراچی میں ذرا سی بھی بے احتیاطی کا شکار ہو جائے، کیوں کہ بلدیہ کراچی کے ترجمان کے بقول:

"جب دُنیا مچھروں کے فوائد سے واقف ہو جائے گی تو مچھروں کی برآمد سے بھاری مقدار میں زرمبادلہ کمایا جائے گا اور اس طرح ہمارے وطنِ عزیز کو بھی دنیا کے دیگر ممالک میں ایک منفرد مقام حاصل ہو جائے گا۔"

اس شہر میں چند ایسے سر پھرے بھی موجود ہیں جو اخبارات میں مچھروں کی افراط کے خلاف لمبے چوڑے مراسلات شائع کراتے رہتے ہیں۔ مگر بلدیہ کراچی کے بقول "یہ لوگ عقل سے پیدل اور مچھروں کے فوائد سے ناواقف ہیں اور ان کا مراسلات اور مضمون وغیرہ شائع کرانے کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ ان کا نام کسی نہ کسی طرح اخبارات اور رسائل میں شائع ہو جائے۔ ویسے بلدیہ کراچی ان لوگوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانتی۔ کیوں کہ اس کی رائے میں اللہ تعالیٰ نے دو کان دیے ہیں۔ یہ اس لیے ہیں کہ بات ایک کان سے سُن کر دوسرے سے اُڑا دی جائے۔

مُلّا نصرالدّین اور ڈاکو

حامد محمود انجم، بہاول نگر

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین اپنے لڑکے کے ہمراہ کسی لمبے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک سنسان مقام پر ایک خانقاہ تھی۔ جہاں کوئی انسان موجود نہ تھا۔ اتفاق کی بات اسی رات اس خانقاہ میں کچھ ڈاکوؤں نے بسیرا کیا۔ انھوں نے جب مُلّا کو اِدھر آتے دیکھا تو اُنھیں ٹھگنے کے لیے ایک سوانگ رچایا۔ سب نے صُوفیوں کا بھیس بدل کر ایسے نعرے لگائے جیسے خدا کو یاد کر رہے ہوں۔

مُلّا نے سوچا چلو آج رات اسی خانقاہ میں قیام کرلیں، کیوں کہ یہاں چہل پہل بھی ہے اور کچھ اللہ والے لوگ بھی، ان کے ساتھ رات اچھی کٹے گی۔ انھوں نے گدھا ایک طرف باندھ دیا اور لڑکے کو اس کے پاس بٹھا کر خود ملنگوں میں پہنچ گئے۔ ان کے سربراہ نے مُلّا سے کہا، آیئے! آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جایئے۔

مُلّا بخوشی راضی ہو گئے۔ ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اور گھیرا باندھ کر ناچنا شروع کیا۔ مُلّا بھی ان کے بیچ میں وہی حرکتیں کرنے لگے۔ وہ لوگ جو کچھ کہتے تھے وہی مُلّا بھی کہتے۔ کبھی کچھ کہتے تو کبھی کچھ اور

برابر ناچتے جاتے ۔۔۔ بالآخر انھوں نے چلانا شروع کر دیا ''گدھا تم کو دیا۔ گدھا تم کو دیا۔''

ملا بھی یہی کہنے لگے۔ ناچتے جاتے اور یہی کہتے جاتے، مگر مُلا تھے ڈیڑھ پسلی کے آدمی، تھوڑی ہی دیر میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب انھیں ہوش آیا تو دیکھا کہ وہاں کوئی ملنگ ہے اور نہ گدھا۔ لڑکا ایک درخت کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ مُلا بھاگے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور ڈانٹ کر پوچھا، ''ارے کم بخت! گدھا کدھر ہے؟ میں تجھ کو گدھے کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ تو تھوڑی دیر بھی اس کی حفاظت نہ کر سکا۔''

لڑکے نے جواب دیا، ''ابا جان۔ آپ گدھا میرے سُپرد تو کر گئے تھے، لیکن تھوڑی دیر بعد ایک صوفی صاحب آئے اور گدھا کھول کر لے گئے۔ میں بھاگتا ہوا آپ کے پاس آیا تو آپ چلا چلا کر کہہ رہے تھے، ''گدھا تم کو دیا، گدھا تم کو دیا۔'' جب میں نے یہ سنا تو مجھے یقین ہو گیا آپ نے صوفی کو گدھا دے دیا ہے۔ اب اتنے صوفیوں کے سامنے آپ کی بات کو غلط کیسے سمجھتا۔ آپ ہی بتایئے میری خطا کیا ہے؟''

عادل بادشاہ

اظہار نواز۔ کراچی

ایک بادشاہ تھا، بہت رحم دل اور انصاف پسند۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام تھا شہزادہ عرفان شہزادہ عرفان بڑا بے رحم، مغرور اور ضدی تھا۔ بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ جس قدر رحم دلی سے پیش آتا تھا، شہزادہ عرفان اتنا ہی بے رحمی سے پیش آتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے شہزادہ عرفان روز کی طرح ایک صبح اپنے گھوڑے پر سوار جنگل کی سیر کو نکلا۔ جنگل میں اس نے ایک لکڑ ہارے کو لکڑیاں کاٹتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ یہ جنگل ہمارا ہے ہم یہاں سیر کرنے آتے ہیں۔'' لکڑ ہارے نے جب شہزادے کی بات سُنی تو کہنے لگا،

''بیٹا! یہ جنگل نہ تمھارا ہے نہ میرا، اگر ہے تو خدا کا ہے۔ اگر میں اس جنگل سے کچھ لکڑیاں کاٹتا ہوں تو اللہ کے خزانے میں کمی نہیں آتی۔'' شہزادہ عرفان نے جب ایک غریب لکڑ ہارے کے منھ سے یہ بات سُنی تو غصّے میں لکڑ ہارے کی کلہاڑی توڑ دی لکڑ ہارے کو اپنی کلہاڑی کو دیکھ کر بڑا افسوس ہوا۔ وہ بادشاہ کے پاس انصاف کے لیے گیا۔ بادشاہ کے پوچھنے پر اُس نے شہزادہ عرفان کی بد اخلاقی کی پوری داستان سنا دی۔ بادشاہ نے جب سنا تو بہت غصّے ہوا اور فوراً حکم دیا کہ لکڑ ہارے کے سامنے شہزادے کے پچاس کوڑے لگائے جائیں۔ جب شہزادہ عرفان کے کوڑے لگائے جانے لگے تو لکڑ ہارے کو شہزادہ عرفان پر رحم آ گیا۔ وہ خود بھی رحم دل انسان تھا۔

تڑپ کر بادشاہ سے کہا، "بادشاہ سلامت میری طرف سے شہزادے کو معاف کردیں"۔ بادشاہ نے لکڑہارے کے کہنے پر شہزادے کو معاف کردیا۔ شہزادہ عرفان کو لکڑہارے کے ساتھ بداخلاقی کرنے کا بڑا افسوس ہوا اور اس نے لکڑہارے اور بادشاہ دونوں سے معافی مانگی اور آئندہ ظلم نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ اور لکڑہارے نے شہزادہ عرفان کو معاف کردیا۔ بادشاہ نے لکڑہارے کو نئی کلہاڑی دی اور لکڑہارا واپس جنگل کی طرف چلا گیا۔ اس کے کچھ سال بعد بادشاہ سلامت کا انتقال ہو گیا اور پھر اس کا بیٹا شہزادہ عرفان اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ شہزادہ عرفان بھی اپنے باپ کی طرح انصاف پسند بادشاہ تھا۔ بعض لوگ اسے شاہ عادل بھی کہتے تھے۔

دیس کی خدمت کرنا سیکھو

مجتبیٰ احسن فاروقی، کراچی

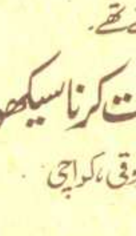

آؤ دیکھو بچو آؤ
میرے دیس کے تارو آؤ
آؤ ہم تم کو بتلائیں
میٹھی باتوں کو سکھلائیں
اچھی باتیں کرنا سیکھو
دیس کی خدمت کرنا سیکھو
بڑوں کی عزت فرض تمہارا
تم ہو اس دھرتی کا ستارا
آج کے چھوٹے کل کے بڑے ہو
پیروں پر خود اپنے کھڑے ہو
اُٹھ جاؤ اِک عزم کو لے کر
نیک تمنا دل میں لے کر
انجنیئر یا ڈاکٹر بن کر
کرو وطن کی خدمت بڑھ کر
دیس تمھارا تم پر قایم
دیس کی شان ہے تم پر قایم
وقت مقابل آن کھڑا ہے
کام بہت کرنے کو پڑا ہے

پانی

مُرادمحمد یوسف۔ کراچی

۱۔ کرہ زمین کا تقریباً ۵/۷ حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔
۲۔ اس رقبے کی اوسط گہرائی تین میل ہے۔
۳۔ زمین کے قطبین پر برفیلی ٹوپیاں (یعنی منجمد حصے) چڑھی ہوئی ہیں۔
۴۔ فضا میں پانی کی کافی مقدار بخارات کی شکل میں موجود ہے۔ عام طور پر ایک مربع میل ہوا میں پچاس ہزار ٹن پانی ہوتا ہے۔
۵۔ ہماری تمام غذاؤں میں ۷۰ فیصد سے ۹۵ فی صد تک پانی ہوتا ہے۔
۶۔ انسان کے جسم میں ۷۰ فی صد پانی موجود ہوتا ہے۔

۷۔ زمین کی سخت چٹانوں کے اندر بھی پانی مختلف شکلوں یعنی معدنیات اور نمکیات کی شکل میں موجود ہے۔

۸۔ ایک گیلن پٹرول تیار کرنے کے لیے دس گیلن پانی درکار ہوتا ہے۔

۹۔ ایک پونڈ کاغذ تیار کرنے کے لیے ۴۰ گیلن پانی استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۔ ایک بالٹی سبزی پیدا کرنے کے لیے تقریباً دس گیلن پانی استعمال ہوتا ہے۔

۱۱۔ ایک پونڈ اون تیار کرنے میں ۰۰ گیلن پانی کا استعمال ہوتا ہے۔

۱۲۔ ایک ٹن سمنٹ کی تیاری میں ۰۰ گیلن پانی استعمال ہوتا ہے۔

۱۳۔ ایک ٹن عمدہ فولاد تیار کرنے میں ۵۰۰ گیلن پانی استعمال ہوتا ہے۔

۱۴۔ ایک بڑی عمارت میں ایر کنڈیشنگ کے لیے ۳۰ لاکھ گیلن پانی استعمال ہوتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی

محمد شاہد نعیم خان، کراچی

علامہ شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں بمقام بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی شکر اللہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ سے فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھی۔ کچھ عرصے دیوانی عدالت میں امین رہے، پھر وکالت کی اور آخر کار ملازمت چھوڑ کر مطالعہ اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ۱۸۸۲ء میں سر سید احمد خان سے ملاقات ہوئی اور ان کی خواہش پر علی گڑھ یونی ورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ سولہ سال تک علی گڑھ یونی ورسٹی میں رہنے کے بعد ملازمت سے سُبک دوش ہو گئے۔ ۱۸۹۸ء میں ندوہ قایم کیا اور اُسے کافی عرصے تک اپنی نگرانی میں چلاتے رہے۔ آخری عمر تک دارالمصنفین میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

ان کی تصانیف میں "الفاروق، المامون، الغزالی، سوانح مولانا روم، الکلام اور سیرۃ النبیؐ" بہت مشہور ہیں۔ سیرۃ النبیؐ وہ خود مکمل نہ کر سکے، ان کے قابل شاگرد علامہ سید سلیمان ندوی نے بعد میں اسے مکمل کیا اور اسے اس خوبی سے لکھا کہ بڑے بڑے ماہر بھی استاد اور شاگرد کی تحریر میں فرق کرنے میں مشکل ہی سے کام یاب ہوتے ہیں۔

علامہ شبلی کو تاریخ اور فلسفے سے بڑی محبت تھی اور فنِ شعر پر بھی پورا پورا عبور تھا لیکن مذہب اور تاریخ ان کے خاص موضوعات تھے۔

علامہ شبلی کا طرزِ بیان سادہ مگر دلائل سے قوی ہوتا تھا۔ شبلی کی زبان مستند اور طرزِ تحریر صاف ہے تشبیہ و استعارے کی چاشنی بھی بڑا لطف دیتی ہے۔ اسلوب بیان علمی اور تحقیقی ہے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مضامین کو سیدھی سادی عبارت میں سلجھا دیتے ہیں۔

شبلی نے اسلامی فلسفے اور اس کے مسائل کو سمجھانے میں بڑی کاوش کی ہے۔ اپنی کتاب "الکلام" میں انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اسلام قابلِ قبول مذہب بن جائے۔ یہ ان کا ایک زبردست کارنامہ ہے۔ ان کا مرتبہ اردو ادب میں بہت بلند ہے۔ وہ بہ یک وقت سوانح نگار، سیرت نگار، مؤرخ اور نقاد ہیں۔

ریشم کی گڑیا

شیل اے شفیق، کراچی

زیبی کسان کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اس کا اس دُنیا میں بوڑھے باپ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ دن بھر گھر کے کام کاج میں مشغول رہتی۔ شام کے وقت جب اس کا باپ کھیت سے آتا تو وہ دوڑ کر جاتی اور گلے سے لپٹ جاتی۔ جو سامان وغیرہ ہاتھوں میں ہوتا اسے لے کر رکھتی اور پھر گائے کو باندھتی اور چارہ دیتی۔ اور پھر باپ کو کھانا دیتی اور پیار سے کہتی، بابو! آج کہانی سناؤ گے نا؟ بابو کھانا کھا کر پیاری سی زیبی کو کہانی سناتا اور سو جاتا۔ آج بابو اُسے ایک انوکھی اور نئی کہانی سنانے لگا۔

"ایک گاؤں میں ایک ننھی سی پیاری سی لڑکی رہتی تھی اُسے لوگ پیار سے ریشم کی گڑیا کہا کرتے تھے۔ اس کے سنہرے بال ایسے چمکدار تھے، جیسے ریشم کی لچھی۔ اس کا باپ ایک غریب کسان تھا۔ جو ریشم کی گڑیا کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ وہ اپنے باپ کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ روزانہ صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کرتی اور اپنے باپ کو کھیت پر روانہ کرتی۔ اس کے بعد دن بھر کام میں لگی رہتی۔ کچھ دیر کے لیے برابر والے گھر میں پڑوسن کے ہاں سلائی کڑھائی سیکھنے چلی جاتی۔ کبھی کسی کو دیکھ کر حسد کرتی اور نہ کبھی کسی کے کپڑے دیکھ کر فرمائش کرتی۔ جو بھی جوڑا اس کا باپ لا کر دیتا اُسے خوشی سے پہن کر اپنے گھر میں خوش رہتی۔ نہ کوئی اس کی دوست تھی اور نہ کوئی ساتھی اور نہ سہیلی بس دُنیا میں اس کا صرف باپ تھا۔

رفتہ رفتہ وہ جوان ہو گئی۔ باپ بھی مزید بوڑھا ہو گیا۔ اب اس کے باپ کے بازوؤں میں اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ کوئی کام کرے۔ اس کے علاوہ وہ بیٹی کی شادی کی فکر میں دن بدن گھُلنے لگا۔ ایک دن اسے یاد آیا کہ زندگی بھر جو روپیہ بچا کر تختے پر رکھ دیتا تھا آج کتنا ہو گیا ہو گا۔ اس نے پیسے گنے، لیکن تھوڑے سے تھے۔ پھر ایک دن جب وہ یہی سوچ رہا تھا تو گائے پر اس کی نظر پڑی وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگا اور گائے کو بیچ آیا۔ ریشم کی گڑیا کو بہت دکھ ہوا لیکن چُپ رہی۔

ایک دن کچھ لوگ آئے اور ریشم کی گڑیا کو دیکھ کر چلے گئے۔ ریشم یہی سوچتی رہی کہ آج ابّا نے ان لوگوں کو کس لیے دعوت دی تھی۔ اس کی سمجھ میں

کچھ نہ آیا۔ ریشم کی گڑیا ایک دن بیٹھی تھی کہ اس باپ آیا اور اُس سے کہنے لگا کہ کل یہاں کچھ لوگ آئیں گے تم اچھی طرح سے رہنا۔ ہاں اور پڑوسن سے بھی میں نے کہہ دیا ہے، وہ صبح ہی سے یہاں آجائیں گی۔

دوسرے دن پڑوسن آئی اور اس نے ریشم کی گڑیا کو سجا بنا کر بٹھا دیا۔ آج ریشم کی گڑیا کو پتا چلا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ شام کے وقت لوگ آتے اور مہندی کی رسم کر کے چلے گئے۔ اس کے چار دن بعد غریب کسان کے گھر بارات آئی اور ریشم کی گڑیا بابل کا گھر چھوڑ گئی۔ اس کے باپ نے آج اپنی سب سے قیمتی اور انوکھی چیز دوسروں کے حوالے کر دی۔ اس کے جانے سے اس کا پیارا باپ بھی گھر بار چھوڑ کر چلا گیا۔ کل کا ہنستا کھیلتا گھر آج ویران ہو گیا۔"

کہانی کے ختم ہوتے ہی بابو نے مڑ کر دیکھا تو زیبی رو رہی تھی۔ اسے روتا دیکھ کر بابو کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اُس نے زیبی کو سمجھایا کہ پیاری زیبی نہ رو۔ ہر لڑکی کو بابل کا گھر چھوڑ کر اپنا گھر بسانا پڑتا ہے۔ ریشم کی گڑیا کی طرح۔

مارچ ،شخصیات کے آئینے میں

جوّاد اصغر بلگرامی، کراچی

اورنگ زیب عالمگیر: اورنگ زیب شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا تھا، ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں ذہنی کمالات، پابندیٔ مذہب، قوت و عزم اور بے باک شجاعت کا

پیکر نظر آتا تھا۔ اورنگ زیب ۱۳ جولائی ۱۶۵۸ء کو عالمگیر کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ وہ اسلامی روایات کے مطابق زندگی گزارنے اور حکومت کرنے کا خواہاں تھا، وہ تمام مذہبی واجبات پابندی سے ادا کرتا۔ اگرچہ وہ نہایت طاقت ور بادشاہ تھا لیکن ہمیشہ سادہ لباس پہنتا تھا۔ کم کھاتا اور رات کو صرف تین گھنٹے سوتا۔ ذاتی مصارف پورے کرنے کے لیے وہ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سیتا۔ اُس نے قرآن مجید اپنے قلم سے لکھے اور ان میں سے بعض نسخے مدینہ منوّرہ بھیج دیئے۔

اورنگ زیب کا انتقال ۳ مارچ ۱۷۰۷ء میں احمد نگر میں ہوا۔ اورنگ زیب کا مزار خلد آباد (دکن) میں ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

آپ ۱۱۴۲ء میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ خواجہ صاحب کا تعلق چشتیہ سلسلے سے تھا اور برصغیر میں اس سلسلے کی ابتدا موصوف ہی سے ہوئی۔ آپ نے اسلامی دُنیا کے اکثر حصّوں میں سفر کیا، پھر آپ نے برصغیر کا رُخ کیا۔ راجپوتانہ کے قلب میں اجمیر کو اپنا

مرکز منتخب کیا اور وہیں سے تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۶ مارچ ۱۲۳۵ء میں ستانوے سال کی عمر میں اجمیر کے مقام پر انتقال فرمایا۔ آپ کا مقبرہ اجمیر میں ہے۔

سیّد جمال الدین افغانی:

عالم اسلام کے اتحاد اور آزادی کے داعی سید جمال الدین افغانی ۱۸۳۸ء میں افغانستان کی ایک بستی سعد آباد میں سید صفدر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کی ساری عمر اسلامی ممالک کو متحد کرنے کی کوششوں میں بسر ہوگئی۔ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دیکھنا چاہتے تھے۔

۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں استنبول میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے، لیکن اب سے چند سال پہلے ان کے جسم کو استنبول سے لاکر کابل میں دفن کر دیا گیا۔

نواب وقار الملک:

نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین ۲۴ مارچ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ سرسید کی تعلیمی تحریک سے انھیں گہرا تعلق تھا۔ علی گڑھ کے سیاسی دبستان کے وہ پہلے لیڈر تھے جنھوں نے سیاسی بے عملی کی پالیسی ترک کر دینے کی وکالت کی۔ ۱۹۰۷ء میں وہ ایم، اے، او کالج علی گڑھ کے سکریٹری منتخب ہوئے اور پانچ سال تک بڑی سرگرمی سے کام کیا، ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء کی سیاسی کشمکشوں میں انھوں نے سخت روش اختیار کر رکھی تھی۔ آپ کا انتقال ۱۹۱۷ء میں ہوا۔

سرسید احمد خان:

ہندوستانی مسلمانوں کے یہ عظیم رہنما، ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن والد کی وفات نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور وہ خوش باش نوجوان ایک سنجیدہ اور پُرعزم آدمی بن گیا۔

سرسید کو اپنی قوم سے بے پناہ محبت تھی۔ انھیں احساس تھا کہ قوم نے اپنے آپ کو مایوس کن حالات پر پہنچا دیا ہے۔ سرسید نے مسلمانوں میں اعلا تعلیم کا شوق پیدا کیا اور اس مقصد کے لیے علی گڑھ میں ایک کالج قایم کیا جو بعد میں علی گڑھ یونی ورسٹی بنا اور مسلمانوں کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیں۔

آپ کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں ہوا۔

چند اور شخصیات

سید جاوید حیدر شاہ، راولپنڈی

شاہ فیصل مرحوم:

سعودی عرب کے مرحوم حکمران جلالۃ الملک شاہ فیصل ۱۹۰۵ء (یکم شوال ۱۳۲۴ھ) کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز اور دادا السعود تھے۔ یکم نومبر ۱۹۶۴ء کو شاہ فیصل نے تخت و تاج سنبھالا، اپنی خداداد ذہانت اور تدبر کے باعث دنیا بھر میں زبردست

مقبولیت حاصل کرلی۔ برطانیہ اور امریکا کا نکتہ چیں پریس بھی انھیں ۱۹۷۴ء کی عظیم عالمی شخصیت قرار دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اسلامی اتحاد کا وہ تصور جو کبھی مغربی قوموں کے نزدیک ایک مذاق تھا اُسے شاہ فیصل کی خدمات کی وجہ سے حقیقی تصور کیا جاتا ہے۔

پاسبانِ حرم اور اسلامی اتحاد کا یہ چراغ ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا۔

گوئٹے:

جوہن وولف گینگ فان گوئٹے ۲۸ اگست ۱۷۴۹ء کو فرینکفرٹ جرمنی میں پیدا ہوا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں فلسفہ، شاعری اور ادب میں وہ نہ صرف جرمنی بلکہ پوری یورپی دُنیا میں شہرت و عزت کا مالک تھا۔ 'فاؤسٹ' اس کی ایک مشہور تصنیف ہے جس کا ترجمہ اُردو میں بھی ہوچکا ہے۔ گوئٹے کو جرمن ادبیات کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو انتقال ہوا۔

ملکہ الزبیتھ اوّل

۷ ستمبر ۱۵۳۳ء کو پیدا ہوئیں۔ انھوں نے ۱۵۵۹ء میں تخت نشین ہوتے ہی تمام مذہبی عبادات انگریزی زبان میں ادا کرنے کا حکم دیا۔ مشہور ڈراما نویس ولیم شیکسپیئر اسی زمانے میں ہوا۔ ان کے عہدِ حکومت کو حرکت و عمل کا دَور سمجھا جاتا ہے۔ ۲۴ مارچ ۱۶۰۳ء کو ۷۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مارچ تاریخ کے آئینے میں

مُرتبہ: غلام قادر۔ کراچی

یکم مارچ ۱۹۶۳ء کو گڈو بیراج کا افتتاح

۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو مسز سروجنی نائیڈو کا انتقال ہوا۔

۳ مارچ ۱۸۴۷ء کو ٹیلیفون کے موجد گراہم بیل کی پیدائش

۴ مارچ ۱۷۸۹ء کو امریکی آئین کا نفاذ۔

۵ مارچ ۱۹۵۳ء اسٹالن کا انتقال ہوا۔

۶ مارچ ۱۹۲۴ء کو آسٹریلیا کے قصبے لونگ ایچ میں مچھلیوں کی بارش ہوئی۔

۷ مارچ ۱۹۷۱ء لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر ہوئے۔

۸ مارچ ۱۹۵۸ء سابق صدر پاکستان اسکندر مرزا نے کراچی میں اسٹیٹ بنک کی ۱۱ منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

۹ مارچ ۱۸۹۷ء سید جمال الدین افغانی کی وفات۔

۱۰ مارچ ۱۸۱۰ء ہائیڈروجن گیس دریافت کرنے والے سائنس دان ہنری کیونڈش کا انتقال ہوا۔

۱۱ مارچ ۱۷۰۲ء لندن کے پہلے روزنامے ڈیلی کرنٹ کی اشاعت کا آغاز ہوا۔

۱۲ مارچ ۱۷۳۳ء آکسیجن گیس کے دریافت کنندہ

جوزف پرسٹلے پیدا ہوا۔

۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء البرٹ آئن سٹائن کی پیدائش۔

۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کشمیر کی فروخت۔

۱۷ مارچ ۱۴۰۶ء شہرہ آفاق مسلمان مؤرخ ابن خلدون کا انتقال۔

۱۸ مارچ ۱۹۷۲ء چین نے ایٹمی دھماکہ کیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۵۶ء تیونس نے آزادی کا سانس لیا۔

۲۱ مارچ ۱۹۵۳ء فارس کا نام تبدیل کرکے نیا نام ایران رکھا گیا۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۵ء قاہرہ میں عرب لیگ کا قیام عمل میں آیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء قراردادِ پاکستان پیش کی گئی۔

۲۴ مارچ ۱۶۰۳ء انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کا الحاق۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء صدر ایوب (مرحوم) مستعفی ہوئے، ملک میں مارشل لا نافذ ہوا، یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالا۔

۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء شیخ مجیب الرحمٰن گرفتار ہوئے۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء سرسید احمد خان کا انتقال ہوا۔

۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء قائداعظمؒ نے دہلی کانفرنس میں اپنے مشہور ۱۴ نکات پیش کیے۔

۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء ترکی میں قیامت خیز زلزلہ آیا۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۷ء روس نے الاسکا کی ریاست امریکا کے ہاتھوں فروخت کی۔

۳۱ مارچ ۹۶۹ء جامعہ ازہر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

*

مارچ میں پیدا ہونے والے سائنسدان

شوکت حسین کشمیری

آئن سٹائن

ایک مشہور یہودی النسل سائنس دان تھا۔ ۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء کو جرمنی کے مقام 'اُولم' میں پیدا ہوا۔ والدین کے ساتھ میونخ چلا گیا اور وہیں ایک اسکول میں داخل ہو گیا۔ اپنے باغ کے مالی سے موسیقی بھی سیکھتا رہا۔ بعد میں زیورخ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۹ء تک سوئٹزرلینڈ کا شہری رہا۔ ۱۹۰۵ء میں نظریۂ اضافت پیش کیا۔ کچھ عرصے برطانیہ میں قیام کے بعد امریکا میں بس گیا۔ ۱۹۲۱ء میں اسے طبعیات کا نوبل پرائز دیا گیا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۵۵ء کو وفات پائی۔

رون تجن

۲۷ مارچ ۱۸۴۵ء کو لینپ جرمنی میں پیدا ہوا۔ ہالینڈ اور زیورخ کی یونی ورسٹیوں میں تعلیم پائی اور ۱۸۹۵ء میں اوزربرگ کی یونی ورسٹی میں اتفاقی طور پر ایکس رے کی شعاعیں دریافت کیں۔ اس کے علاوہ بجلی اور مقناطیس کے بارے میں بھی بہت سی دریافتیں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں اسے طبعیات کا نوبل پرائز دیا گیا۔ ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

*

معلوماتِ عامہ ۱۲۹ کے صحیح جوابات

جنوری ۱۹۷۷ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامہ ۱۲۹ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے۔ ان کے صحیح جوابات یہ ہیں:-

۱۔ سورۃ رحمٰن میں "فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" ۳۱ (اکتیس) مرتبہ آیا ہے۔
۲۔ اسلامی ملک سوڈان کا قومی دن یکم جنوری کو منایا جاتا ہے۔
۳۔ بنولے کا بیج کپاس کے پودے سے حاصل ہوتا ہے۔
۴۔ الیکٹرک ویلڈنگ کا طریقہ مشہور سائنس دان ٹامسن نے ۱۸۷۷ء میں دریافت کیا۔
۵۔ سلطنتِ عمان کے دارالحکومت کا نام مسقط ہے۔
۶۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے فلسفے کے مضمون میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا تھا۔
۷۔ "بالابین" (پیریسکوپ) ایک آلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے آبدوز میں بیٹھنے والے یا خندق میں بیٹھنے والے لوگ گرد و پیش اور خندق کے اوپر یا پانی کی سطح کے اوپر (بالائے آب) کی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ بالابین پوشیدہ جگہوں سے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی مدد سے آب دوز کشتی کے ملّاح سطح پر یا سطح کے نیچے سے سمندری جہاز کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔
۸۔ پولینڈ کے پرچم کو اگر اُلٹ دیں تو وہ ایک اسلامی ملک (انڈونیشیا) کا پرچم بن جاتا ہے۔
۹۔ پاکستان میں ۱۹۷۶ء سالِ قائدِ اعظم قرار دیا گیا تھا۔ سالِ رواں ۱۹۷۷ء علامہ اقبال کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔
۱۰۔ یورپ میں واقع دو مسلمان ملکوں کے نام ترکی اور البانیہ ہیں۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

آغا سہیل رانا شکارپور ظفر احمد قریشی
عاصم رعنا لاہور راجہ ظہیر محمود بھٹی
دل امداد علی راہی دامروٹ شریف، سلیم اختر قائم خانی
نذیر احمد کوٹڑی لیاقت راہی
جمیل الرحمان طاہر ۔ سیالکوٹ محمد اقبال
فیروز الدین صدیقی خیرپور سید ضامن عباس جعفری
محمد رفیق بھٹی نواب شاہ محمد عبداللہ خان

ساہیوال محمد عبدالقادر خان

تنویر افروز
توقیر افروز
عبدالسلام

میرپورخاص

محمد سلیم ملک
نثار احمد وارثی
محمد نعیم خان شیروانی
محمد سلطان اڑو
سید ظفر احمد رضوی
فرحت جبین
نگہت یاسمین
محمد نعیم ملک

محمد عبدالخالق خان
انجم سلطانہ

سکھر

محمد امین الدین
خالد محمود
شیر افضل خان عباسی
سلیم ارشد
محمد وحید ملک
سلیم خورشید
امجد خورشید ۔
عبدالحئی ایس دل

لیاقت خورشید
عرفان خورشید
عرفان علی بٹ
عبدالقادر بیگ
نعیم الدین
محمد اسلم راج پوت
محمد اشرف راج پوت
حسن اقبال قریشی
سلیم علی
دلشاد

حیدرآباد

مختار احمد خان
ناصر فضل
شجاعت حمایت
مرزا تصور عالم
عائشہ وزیر
نبیلہ وزیر
فرخ وزیر
ندیم احمد جنیدی

فوزیہ جنیدی
شگفتہ جنیدی
ارشد علی خان
راؤ احمد جاوید
اکرام الحق شیخ
شائستہ حمایت
سائرہ اقبال
فہیم احمد خاں
عبدالباسط
فاروق احمد
عظمیٰ انصاری
محمد شعیب انصاری
شفاعت احمد خاں
بدر فیاض زبیری
شیخ سعید احسن
محمد عبدالباسط
ثروت نسیم
ساجد رزاق
خاور بیگ خاور

کراچی

ساجد لطیف صدیقی
ندیم صدیقی
سید عامر رضا
محمد عبد اللطیف
عبد الخالق عبد اللطیف
محمد اشرف بارا پوریا
فیاض احمد
سہیل عمر خان افغان
شہزاد عمر خان افغان
محمد حنیف لاکھانی
جنید احمد
سید شہزاد علی
عبد الواحد
گوہر خورشید صدیقی
محمد نعیم قاسم
نعیم احمد شریف
محمد شبیر
ملک آفتاب احمد نفیسی
شیخ نعیم
حبیب فخر حبیب اوستو
محمد صابر
افتخار غضنفر
انور محمود انصاری

محمد شبیر انور علی
مسعود علی خان آفریدی
محمد امین
محمد رفیق قاسم
ادریس آدم غازی
محمد شبیر عزیز
عبد الصمد
نیر اقبال
محمد اکمل یوسف منہاس
محمد حسن طاہر
شگفتہ سعید
ثمینہ یاسمین ملک
طلعت ناہید ملک
محمد حنیف انصاری
محمد اویس خان شاداب
محمد عارف علی محمد
محمد عامر علی انصاری
نسیم احمد فاروقی
سید انوار احمد زیدی
بشیر مرزا
سید امیر الحسن نقوی
حاجی یعقوب
احمد مسعود
حلیمہ خاتون

طارق محمود
الطاف حسین
آفتاب فہیم
محمد صدیق علی خاں ترین
محمد سلیم
کھتری محمد حنیف
محمد جعفر ابراہیم
محمد رفیق گوہر
سید علی ارشد ہاشمی
محمد امین شہزاد
سید محمد ناصر حنیف
ممتاز احمد
آفتاب احمد خان
محمد مناف حبیب
جاوید عبد الغفار
جیلانی یوسف
محمد رفیق عبد الکریم
محمد الطاف حسین میمن
فریدہ عبد اللطیف میمن
انیلا حبیب طیب میمن
عارف رزاق عباسی
قطب الدین قادری
ساجد نعیم
اختر احمد

زبیر عثمان
حسن عثمان
مقصود
محمد سلیم پردیسی
محمد حنیف قاسم
اعظم
ایم منور طرزی
خورشید جمال
محمد جمال صدیقی
سیدہ خاتون
محمد صدیق الرحمان
سید مقبول حسین موسوی
عبد الشکور عاریانی
سید احمد جاوید ہاشمی
نجمہ انصاری
محمد عثمان بلو
ناصر عالم بھٹی
وردہ خورشید بھٹی
غزالہ خورشید بھٹی
فرخ ارشاد
محمد اسلم شہزاد
لیاقت علی
محمد سلیم اقبال شمس
نثار عالم

محمد ابراہیم شاہ، کراچی | سید اظہار احمد زیدی، کراچی | محمد فاروق شہزاد، کراچی

صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

پرویز اختر، کراچی

نجمہ انصاری، کراچی

لیاقت علی، کراچی

مقصود، کراچی

اکرام الحق شیخ۔ حیدرآباد

ناصر فضل، لطیف آباد

راؤ احمد جاوید، حیدرآباد

محمد ابن شہزاد، کراچی

ارشد علی خان، حیدرآباد

محمد رفیق، نواب شاہ

انور محمود انصاری، کراچی

شیر فضل خان عباسی، کھرڑ

محمد امین الدین، سکھر

لیاقت راہی، میرپور خاص

فیروزالدین صدیقی، خیرپور

خاور بیگ خاور، حیدرآباد

سید احمد جاوید ہاشمی، کراچی

ایم منور طرزی، کراچی

عبدالشکور عاربانی، کراچی

محمد سلیم، کراچی

حاجی یعقوب حاجی یوسف، کراچی

نسیم احمد فاروقی، کراچی

عبدالواحد، کراچی ۳۰

سید انوار احمد زیدی، کراچی

محمد ابراہیم شاد، کراچی

محمد عارف، علی محمد، کراچی

ایم نعیم قاسم، کراچی

افتخار غضنفر، کراچی

عارف رزاق عباسی، کراچی

بشیر مرزا، کراچی

آفتاب فہیم، کراچی

محمد اسلم شہزاد، کراچی

قطب الدین قادری، کراچی

خورشید جمال، کراچی

محمد سلیم اقبال شمس، کراچی

اعظم، کراچی

اختر احمد، اورنگی ٹاؤن

نثار عالم، کراچی

محمد رفیق، عبدالکریم، کراچی

محمد فاروق شہزاد، کراچی

سید امیر الحسن نقوی، کراچی

محمد مناف حبیب، کراچی

ملک آفتاب احمد نفیس، کراچی

محمد شبیر، کراچی

محمد حسن طاہر، کراچی

محمد صدیقی علی خان ترین، کراچی

جنید احمد، کراچی

محمد اشرف راج پوت، سکھر

امجد خورشید، سکھر

ندیم احمد جنیدی، حیدرآباد

ساجد لطیف صدیقی، کراچی

عبدالخالق، عبداللطیف کراچی

ندیم صدیقی، نیو کراچی

سید عامر رضا، کراچی

محمد عبداللطیف ۔ کراچی

محمد حنیف انصاری، کراچی

الطاف حسین، کراچی

سید محمد ناصر حنیف، کراچی

سید ضامن عباس جعفری، میرپورخاص

محمد شعیب انصاری، حیدرآباد

خالد محمود ـــ سکھر

نثار احمد وارثی، میرپورخاص

محمد نعیم خان شیروانی، میرپورخاص

جیلانی یوسف، کراچی

محمد اقبال، میرپورخاص

محمد وحید ملک، سکھر

ساجد رزاق، حیدرآباد

بدر فیروز زبیری، حیدرآباد

اظہار احمد زیدی، کراچی

فاروق احمد، حیدرآباد

محمد جعفر ابراہیم، کراچی

کھتری محمد حنیف، کراچی

محمد حنیف لاکھانی، کراچی

مختار احمد خان، کراچی

سید علی ارشد ہاشمی، کراچی

گوہر خورشید صدیقی، کراچی

ساجد نعیم — کراچی

محمد اسلم راج پوت، سکھر

سید شہزاد علی، کراچی

سلیم خورشید، سکھر

محمد صابر، کراچی

ممتاز احمد، کراچی

محمد حسین ڈیسائی، کراچی

محمد یوسف عمر، کراچی

محمد یوسف بارا پوریا، کراچی

ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

سید مظہر علی شہداد پور

محمد رشید کوٹڑی

حیدرآباد

فرقان احمد

اعجاز جنیدی

اقتدار حسین

نسیم السحر آفریدی

کراچی

امین الحق صدیقی

محمد الناصر ادیب

رضوی صلاح الدین

ناصر احمد

سید عامر وقار

شعیب احمد فاروقی

سید عبدالباسط عتیقی

ارشد محمود

عبدالکریم عابد

معین فخر معین ہمدانی

احمد افضال

سیدہ عندلیب سلطانہ

نورین تبسم

ندیم ہادی

شہناز زاہد نور خاں

سید علی الدین احمد

محمد شبیر

ایس۔ ایم خالد

سید شکیل جاوید ہاشمی

محمد ارشد سلیم

اقبال احمد کاظمی

فرخ شبر

زاہد سلطان نظامی

پیامی

یونیسکو کے ماہنامے کی اردو میں اشاعت

پاکستان کی قومی زبان میں ایک عالمی، علمی رسالے کا اضافہ

اقوامِ متحدہ کے ادارۂ تعلیم وثقافت وسائنس (یونیسکو) کا باتصویر تعلیمی، ثقافتی اور سائنسی ماہ نامہ "یونیسکو کوریئر" (UNESCO COURIER) دنیا کی پندرہ اہم زبانوں — انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی، جرمن، فارسی، عربی، ہندی، تامل، پرتگالی، ولندیزی، جاپانی، عبرانی، اطالوی، ترکی، روسی — میں شائع ہوتا ہے۔ یہ اطلاع ہر تعلیم یافتہ فرد کے لیے خوشی کا باعث ہوگی کہ اب یہ مفید ماہ نامہ پاکستان کی قومی زبان اردو میں بھی شائع ہونا شروع ہوگیا ہے۔ وفاقی وزارتِ تعلیم اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کی سعی وتعاون سے کوریئر کا اردو ایڈیشن "یونیسکو پیامی" کے نام سے جاری ہوا ہے۔

پیامی کی ادارت کے لیے پاکستان کے ممتاز دانش ور حکیم محمد سعید کا انتخاب کیا گیا ہے۔

پیامی کی اشاعت سے اردو کے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔ **پیامی** یونیسکو کے اعلا معیار کے مطابق اردو کا منفرد بین الاقوامی اور خالص علمی رسالہ ہوگا۔ اردو میں اس کی اشاعت پر کثیر رقم خرچ ہوگی لیکن یونیسکو (پیرس)، پاکستان نیشنل کمیشن برائے یونیسکو (وفاقی وزارتِ تعلیم) اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے تعاون سے اس کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے۔

پیامی کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۷۷ء شائع ہوگیا ہے۔

قیمت فی شمارہ: دو روپے پچاس پیسے —— سالانہ: تیس روپے

دفتر یونیسکو پیامی، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

حلقۂ دوستی

۱۶ سال سے زائد عمر کے نونہال فارم شائع ہونے کے لیے نہ بھیجیں۔ لڑکیاں اپنے فارم حلقہ دوستی میں اشاعت کے لیے نہ بھیجیں۔

عابد محمود

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دلچسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: ای-۴۸، الاعظم اسکوائر، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

احمد جاوید

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دلچسپیاں: نونہال پڑھنا، ہاکی کھیلنا

پتا: ۶۴۳ بلاک بی/یونٹ نمبر ۲ لطیف آباد، حیدر آباد

سید سخاوت علی نقوی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دلچسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، معلومات عامہ

پتا: ۶۴/۷، ۳ ڈرگ کالونی، کراچی نمبر ۲۵

فرحان کھوکھر

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم

دلچسپیاں: فٹ بال کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: بلاک ۲۶/۵۶۸ - کراچی ۳۳

محمد اعظم

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: دہم

دلچسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: مکان نمبر ۱۰۸۵ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ۵

محمد صفدر

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دلچسپیاں: کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: نیو مغل ہائی اسکول، اسٹیشن روڈ، حیدر آباد

ایس ایم تنویر

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: فرسٹ ائر

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: الیف ۱۰۵/۲۳ - نیو کراچی، کراچی ۳۶

ایم یونس تبسم

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ائر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: معرفت مہر علی مکان نمبر ۶۳۹ ڈونگر محلہ، جیکب آباد

جاوید الطاف

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، مطالعہ کرنا

پتا: ۱۰۰۸ پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی ۵

ممتاز احمد

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: فرسٹ ائر

دل چسپیاں: ٹکٹوں کا تبادلہ کرنا، قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: معرفت "ممتاز لائبریری ۹/۰۰، ۹، دستگیر سوسائٹی، کراچی

عبدالطارق حسین قریشی

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، کہانیاں پڑھنا

پتا: مکان ۲۴۶ بلاک بی یونٹ نمبر ۹ نزد ڈاک خانہ لطیف آباد حیدر آباد

اشرف والٹر کنیڈی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: قصر المصطفیٰ ۲- بی ۶ لانڈھی کالونی، کراچی

فرید احمد سومرو

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: آٹھویں

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا

پتا: مکان نمبر ۱۳۰/۴ جی گلی نمبر ۲، قائد آباد، کھیلی پار، حیدر آباد

ایس ایم رفیق

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: ۴ برج بلڈنگ، چاندوا اسٹریٹ نزد موتی مارکیٹ، کراچی ۲

ریاض حیدر علی

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا

پتا: بنگلا نمبر ۲۲۵ بی یونٹ نمبر ۹ لطیف آباد- حیدر آباد

ابرار احمد

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ۸/۱۴ - بی ون ایریا- لیاقت آباد- کراچی

کھتری محمد وسیم بہادر

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مارواڑی کلاتھ اسٹور، مارکیٹ روڈ، حیدر آباد

محمد طاہر سبحانی

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: چھٹی

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، فٹ بال کھیلنا، کہانیاں پڑھنا۔

پتا: ۴۲۱/۱۴ فیڈرل بی ایریا، دستگیر، کراچی

عاصم زبیر آرائیں

عمر: ۱۴ سال　　تعلیم: نہم

دل چسپیاں: مطالعہ کرنا، ہاکی کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: معرفت محمد ابراہیم کریانہ مرچنٹ شاہی بازار شہداد پور، سانگھڑ

عبدالقادر عبدالستار

عمر: ۱۳ سال　　تعلیم: چھٹی

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۹/۱۵/ایف/۳ ناظم آباد۔ کراچی

محمد عارف حاجی ہاشم نورانی

عمر: ۱۵ سال　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۱۹ دھوراجی ہاؤس، دھوراجی کالونی۔ پی او شانتی نگر، کراچی

عقیل احمد راہی

عمر: ۱۳ سال　　تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ہاکی کھیلنا، مطالعہ کرنا۔

: کوارٹر نمبر، بلاک نمبر ۱۶-۱ ایریا بی۔ ۲ لانڈھی کالونی، کراچی

عاصم عثمان صدیقی

عمر: ۱۱ سال　　تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۸/۴۲۷ عزیز آباد، کراچی

کمال پرویز عباسی

عمر: ۱۵ سال　　تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مکان نمبر ۲۳ اے، صحافی کالونی۔ حیدرآباد

قوی لالا

عمر: ۱۲ سال　　تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: ۲۱ بابر ہاؤس، حسین ڈی سلوا گارڈن۔ کراچی

ایس ایم رفیق

عمر: ۱۵ سال　　تعلیم: نہم

دل چسپیاں: تقریر کرنا، قلمی دوستی کرنا، مضمون نگاری۔

پتا: فلیٹ نمبر ۸۔ چوہدری بلڈنگ، جناح چوک نزد جوبلی سینما، کراچی

نور محمد عبدالکریم

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتا: معرفت پیر علی شاہ ۱۳۵/۵۵۰ بی، نیو انجام کالونی بلدیہ ٹاؤن شپ، کراچی

احمر انصاری

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کتابیں پڑھنا۔

پتا: جے ۲/۹۳۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس، کراچی نمبر ۲۹

وحید اکبر انصاری

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ریلوے کوارٹر نمبر ۵ ہیڈ۔ فریک ہل نزد سول ہسپتال، سکھر

سید ظفر عباس نقوی

عمر: ۱۲ سال　　تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹوں کا تبادلہ، ہاکی کھیلنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: معرفت ڈاکٹر علی محمد، ریلوے ہسپتال، میر پور خاص

محمد ابرار امین

عمر: ۱۱سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: تصویریں جمع کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: کیمبرج بیرکس، بلاک نمبر ۸، مکان نمبر ا، راولپنڈی کینٹ

شفیق احمد خان

عمر: ۱۲سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۸۲۱/۱۴ نصیر آباد، فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی نمبر ۳۸

شاھد الیاس

عمر: ۱۶ — تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا۔ فوٹو گرافی

پتا: گورنمنٹ سٹی آرٹس کالج، حیدر آباد

فرّخ ریاض

عمر: ۱۱سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: فٹ بال اور کرکٹ کھیلنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: اے/۲۳۱/اے۔ نارتھ ناظم آباد، کراچی

سید خالد احسان ہاشمی

عمر: ۱۲سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا،

پتا: ۱۲۹-بی یوسف پلازہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی نمبر ۳۸

محمد جمیل نور

عمر: ۱۵سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: مضمون نویسی، ویوکارڈ جمع کرنا، قلمی دوستی۔

پتا: پوسٹ بکس نمبر ۳۹۲۰ کویت

سید عرفان حسین نقوی

عمر: ۱۱سال — تعلیم: ساتویں

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۱۶۱-۱۵ کورنگی نمبر ۳، کراچی نمبر ۳۱

فرحت حسین راشدی

عمر: ۱۶سال — تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۱۷/۳۱/۱، مقابل روپ محل، گورنمنٹ کالج روڈ، ہیرآباد، حیدرآباد

خواجہ ضیا اللہ

عمر: ۱۱سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ کرکٹ کھیلنا۔

پتا: معرفت خواجہ محمد اسلم ۲۱۳، آفس روڈ، جڑانوالہ

ایس۔ ایم شمیم

عمر: ۱۴سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہاکی اور کرکٹ کھیلنا

پتا: سی ۶۲۔ بلاک نمبر ۱۱۔ فیڈرل بی ایریا، کراچی

شیخ اقبال جاوید

عمر: ۱۱سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتا: نادریہ جنرل اسٹور، ضلع میانوالی، تحصیل بھکر (دریاخان)

تنویر الحسن مدنی

عمر: ۱۴ — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ۵-الف /۲۳، نیو کراچی نمبر ۳۶

حکیم محمد سعید، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز میں چھپوا کر، دفتر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد، کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا

شہد

فِیہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ

اِس میں انسانوں کے لیے شفا ہے

شہد انسان کے لیے قدرت کا ایک بیش قیمت عطیہ ہے۔ صِحت قائم رکھنے اور جسمانی نشوونما کے لیے اس لطیف، زود ہضم اور مقوّی غذا کا کوئی نِعم البدل نہیں۔

۴ اونس کے ٹیوب میں
پیک کیا ہوا ہمدرد کا خالِص مُصفّا شہد
پورے اعتماد سے استعمال کیجیے۔

ہمدرد کے ہر سیلز ڈپو، عام دکانوں
اور کیمسٹوں کے ہاں ملتا ہے

بچوں کے لیے ایک نعمت ہے

HAMDARD FRUIT PRODUCTS PAK.
HFP
LAHORE

کیڑے مکوڑے کہیں بھی چھپیں
ٹائی فون®
ٹوٹل کنٹرول
کا دائرۂ تباہ کاری
وسیع تر ہے!
SUPER
Perfumed
TYFON®
TOTAL CONTROL
FOR SURE KILL
TYFON LIMITED, KARACHI-LAHORE
ٹائی فون ٹوٹل کنٹرول ــ نیا زرق برق لباس
وہی طاقتِ اثر، وہی زُود اثری، وہی خوشبُو!
رکن : نیشنل پیسٹ کنٹرول ایسوسی ایشن، ریاستہائے متحدہ امریکہ
INTERNATIONAL QUALITY
TYFON
INTERNATIONAL PACKING
ٹائی فون لمیٹڈ